سیرت طیبہ اور تہذیبی اقدار

محمد بن عبداللہ بن صالح السحیم ☆
ترجمہ و تلخیص: محمد جنید انور ☆☆

یہ ایک طویل مضمون کا ترجمہ و تلخیص ہے، جو الدراسات الاسلامیہ میں تین قسطوں میں شمارہ جنوری، مارچ ۲۰۰۹ء۔ اپریل، جون ۲۰۰۹ء۔ جولائی، ستمبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ادارہ

CIVILIZATIONAL VALUES IN THE LIGHT OF SEERAH

The Muslims have a firm belief that Islam is the last revealed religion and Muhammad - Peace be upon him- is the last of the Messenger of Allah; and the Creator of this universe has accumulated all human attributes and values in his noble personality.

The Prophecy of Muhammad (Peace be upon him) contains all those components which are essential for the establishment of an accurate code of life (Din) for humanity, for example: ideology, values, fundamental rules and regulations and principal injunctions for an ideal civilization.

For the Muslims, the Islamic civilization which emerged and got established through to the teachings of Prophet Muhammad (Peace be upon him) is considered as the last divine civilization for the world. It contains the best moral, social, economic and political values, based on divine revelation. This civilization never absorbed in other civilizations, but in fact has influenced other civilizations by adopting and propagating the good values of the other civilizations too.

In this article, a general account of the educational, social, and administrative values adopted by the Holy Prophet (Peace be upon him), for establishing Islamic civilization has been presented and decorated in the light of the Holy Qur'an and the Sunnah.

☆ استاد کلیہ التربیہ، جامعہ ملک سعود۔ ریاض
☆☆ نائب مدیر: ماہ نامہ تعمیر افکار، کراچی

محقق جب تہذیبوں کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے اور اس مقام کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے جہاں سے تہذیبوں نے پھلنا پھولنا (پروان چڑھنا) شروع کیا تو اسے ان تمام (تہذیبوں) کے مابین نکتہ اشتراک ملتا ہے کہ وہ تمام کی تمام تہذیبیں دریاؤں کے کنارے، یا سمندروں کے ساحلوں پر ارتقا پذیر ہوئیں، گویا کہ تہذیبیں پانی کے ذخائر سے نزدیک مقامات پر پروان چڑھیں، لیکن اسلامی تہذیب کو دیکھا جائے تو وہ جزیرہ عرب میں پروان چڑھی جو بے آب وگیاہ وادی ہے، نہ تو وہاں پانی تھا نہ کوئی دریا، لیکن اس کے ساتھ پانی سے بہتر چیز تھی جو وحی الٰہی تھی، یہ وحی زندگی اور زندہ افراد کے لئے روح کی مانند تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ O (۱)

اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک فرشتے کے ذریعے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ اس سے پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھادیتے ہیں اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہ نمائی کررہے ہیں۔ اُس اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ یاد رکھو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

اسی لئے آخری ترین رسالت جس کے ساتھ ہمارے نبی محمد ﷺ تشریف لائے، ان تمام چیزوں پر مشتمل تھی جن کی انسانیت کو ایک صحیح تصور دین کے ساتھ عبادت کرنے اور مکمل تہذیب کے قیام کے لئے ضرورت تھی، یعنی عقائد، احکامات، اقدار، بنیادی اصول وضوابط اور آئیڈیلز۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلامی تہذیب نے گزشتہ تہذیبوں کا یک سر انکار نہیں کیا، بل کہ ان کا احاطہ کیا اور ان کی اچھی چیزیں اختیار کرکے ان میں اضافہ کیا، اور ان میں موجود خامیوں اور خرابیوں کو بیان کیا۔ اس کے بعد آنے والے تمام ادیان اور مکتب ہائے فلاسفہ اس کے خلاف فیصلے اور اس سے لاتعلق رہنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ہماری تہذیب نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، اور تھوڑے عرصے میں انسانیت کے لئے بہت سی کامیابیاں پیش کردیں۔ اس کی گواہی مخالفین بھی دیتے ہیں۔ جارج بش

(۱۷۹۶ء۔۱۸۵۹ء) جو نیویارک یونی ورسٹی میں عبرانی زبان اور مشرقی علوم ومعارف کے استاد تھے، کہتے ہیں کہ درحقیقت (محمد ﷺ) نے ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جس نے صرف اسی سال کے عرصے میں اپنی حکومت وسلطنت اتنے ممالک اور علاقوں سے زیادہ ممالک میں قائم کرلی جتنے ممالک پر روم نے اسی سالوں میں حکومت وسلطنت حاصل کی تھی۔ ہماری دہشت میں اس وقت اضافہ ہوجاتا ہے جب ہم ان کی سیاسی کامیابی کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے دین کی بلندی، انتہائی تیزی سے پھیلاؤ اور اس کے ہمیشہ رہنے والے رسوخ کی بات کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نبی اسلام اور اسلام نے جو ثابت کیا (اور کر دکھایا) اس کی تفسیر ممکن نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جاسکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی مدد فرمائی اور (انہیں غالب فرمایا) جو کامیابی حضرت محمد (ﷺ) نے حاصل کی وہ امکانات کے مشابہ نہیں ہوسکتی (مطلب یہ کہ وہ کامیابی عقل وفہم وادراک کے عام پیمانوں سے بالاتر ہے) اور اس کی تفسیر وتشریح انسانی عقل کے پیمانے اور اوزان پر نہیں کی جاسکتی۔ اب یہ کہنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور رحمت کے سائے میں کام کرتے تھے۔ (۲)

جب کسی بھی کامیاب تہذیب کی ترکیب وقیام کے لئے ضروری وبنیادی اجزا کا جائزہ لیا جاتا ہے تو دو طرح کے اجزا لازمی نظر آتے ہیں، ایک بنیادی اجزا اور دوسرے معاون ومددگار اجزا۔ ان بنیادی اجزائے ترکیبی میں سے بڑے اور واضح اجزا جن پر کسی بھی تہذیب کے قیام کا دارومدار ہوتا ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ صحیح دین جو فرد کی روح کے لئے بندگی کو حقیقت بدن کے لئے راستگی اور ثابت قدمی، معاشرے کے لئے بھلائی، اور طریقہ کار کے لئے حفاظت بنادے، اور فرد کی صحیح وسائل کی جانب رہ نمائی کرے، اور اس کے لئے دونوں جہاں کی کامیابی کا ضامن ہو۔

۲۔ صحیح علم جو اس کے لئے چھپے ہوئے حقائق کو بے نقاب کرسکے اور اس کی صحیح مقاصد کی جانب رہ نمائی کرسکے اور اسے اس کی ذات کی حقیقت سے باخبر کرسکے، اس کی علمی طریقہ کار سے مدد کرسکے (ایسا طریقہ کار) جسے اختیار کرنے پر وہ مطلوب نتائج دے سکے، اور ناممکن کے حصول کی تھکن سے راحت فراہم کرسکے۔ زمانے نے اس کے لئے قرون اولیٰ کے ان حقائق کی تلاش مختصر کردی ہے جنہیں قرآن کریم نے منکشف کیا اور ان کی انتہا بیان کی۔ اس صحیح علم کے میدان میں انہماک بھی ضروری ہے تاکہ وہ صحیح اور مطلوبہ نتائج کا پھل دے سکے اور اس کے ذریعے نزاعی اختلافات سے دوری اختیار کی جاسکے۔

۳۔ مکمل عدل وانصاف جس میں حاکم ومحکوم، امیر وغریب، معزز اور ذلیل برابر ہوں۔ مکمل

انصاف جسے دوست و دشمن حاصل کرسکیں، اس کی موجودگی میں تمام لوگوں کے درمیان صاحبِ حق کے حق کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیا جاسکے نہ کہ اس کے نقلی اور تبدیل ہونے والے عیوب دیکھ کر۔

۴۔ واضح، سیدھے اور مقررشدہ مقاصد، جو دل کو پریشانی سے راحت دیں اور نفس کو بلندی مقصد اور سلامتی وسیلہ کی بنا پر متاثر کریں، اور نفس کے لئے مستقبل کی پوشیدہ چیزوں سے پردہ ہٹائیں، اس طرح انسان اپنے رب کی جانب سے (عطا کردہ) روشنی میں کام کرتا ہے، اس کی ابتدا اور انتہا جانتا ہے، اور اس کے حساب اور بدلے پر یقین رکھتا ہے، اور مشترک اجتماعی مستقبل کی خاطر جان لڑا دیتا ہے۔

۵۔ سچی محبت جس کی موجودگی میں معاشرے کی شیرازہ بندی اتحاد و اتفاق سے ہوسکے، اور اس کے سبب دل سچائی، محنت اور ایثار کے ساتھ باہم ملتے رہیں اور لوگ باہم اس طرح تعاون سے پیش آئیں گویا وہ ایک جسد کی طرح ہیں، اگر اس میں سے کوئی عضو بھی شکوہ کناں ہو تو اس کے لئے دیگر اعضا اس کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے رت جگے کرنے پر باہم دعوت دیں۔ کوئی فرد یہ خیال نہ کرے کہ وہ اپنے روپے پیسے کا اپنے بھائی اور پڑوسی سے زیادہ حق دار ہے۔

ان ہی زریں اصولوں کے ساتھ اسلام آیا اور انہیں مضبوط و مستحکم بنایا، اور اس کی جانب دعوت دینے والے امور پر ابھارا، اور اس کی مخالفت، عیب جوئی اور اس کے خلاف حکم دینے والے امور سے خبردار کیا، جیسا کہ آپ اس مقالے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

درحقیقت انصاف پسند قاری جب کسی نظم ونسق کے بنیادی اسباب وذرائع میں سے کسی سبب و ذریعے، یا کسی تہذیب کے بنیادی اسباب وذرائع میں سے کسی بنیادی سبب اور ذریعے پر غور کرتا ہے، پھر (اس کے بعد) نصوص قرآنیہ اور سنت نبویہ مطہرہ میں غور کرتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے جیسے قرآن وسنت ان ہی احکامات کو پیش کررہے ہیں، مثال کے طور پر جب علم انتظام کاری کے دس قواعد یا دس بنیادوں پر غور کیا جاتا ہے تو محقق اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسلام نے ان پر ابھارا ہے اور ان احکامات کی تعلیم میں وہ اوروں پر سبقت لے گیا ہے، یہ ایک پہلو ہے، دوسرے پہلو سے اگر کوئی محقق اس دین کے موضوعات میں سے کسی موضوع پر غور وفکر کرتا ہے یا پھر اسلام کی لائی ہوئی تہذیب کے بنیادی اجزا میں سے کسی جزو پر غور وفکر کرتا ہے تو پہلے پہل یہی سمجھتا ہے کہ اسلام تو آیا ہی صرف اس مقصد (کی تبلیغ وتعلیم) کے لئے ہے۔ اور یہ موضوع ہی دراصل اسلام میں مرکزی موضوع ہے، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) اس کے سامنے اس پر دلالت کرنے والے نصوص کی کثرت ہوتی ہے۔ اسی لئے اس مقالے میں شامل ہر موضوع سے متعلق تمام نصوص کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ میں نے صرف موضوع پر دلالت کرنے والی اور اس کا مقام واہمیت بیان کرنے

والی نصوص پر اکتفا کیا ہے۔ میں اپنے اجتہاد کے مطابق ان میں سے نمایاں ترین اجزا و اسباب کو کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہوئے بیان کروں گا۔

اس مقالے کو میں نے تین مرکزی موضوعات میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا موضوع۔علمی اقدار۔اس کے تحت تین فوائد درج ہیں۔

دوسرا موضوع۔اجتماعی اقدار۔اس کے تحت سات فوائد درج ہیں۔

تیسرا موضوع۔انتظامی اقدار۔اس کے تحت چھ فوائد درج کئے گئے ہیں۔

علمی اقدار

اس موضوع کے تحت کی جانے والی گفتگو تین فوائد پر مشتمل ہے جو ایک نکتے میں مشترک ہیں، وہ دلیل اور برہان ہے۔اس لئے کہ علم، دین اور اتقان میں مضبوطی، استقامت اور پختگی واضح دلیل اور ثبوت اور غالب ہو جانے والی دلیل سے ہی آتی ہے۔کیوں کہ علم دین کی بنیاد ہے، اور وہ اس پر عمل سے مقدم ہے۔میں نے اسے پہلے ذکر کیا ہے۔اس کے بعد دین کا ذکر ہے، وراختتام میں اتقان ہے۔

علم

اسلام علم کا دین ہے، انصاف پسند انسان کے نزدیک اسلام کا نمایاں ترین اور سب سے بڑا پہلو علم ہے، اسلام میں ہر مسئلے کے بارے میں علم کا ذخیرہ موجود ہے۔چاہے وہ بنیادی علم ہو یا استدلالی علم ہو۔

درج ذیل عناوین کے ساتھ ہم دین اسلام میں علم کا مقام بیان کریں گے۔

علم کا اہتمام: اس باب میں محقق علم کے اہتمام کے بارے میں اسلام کے روشن پہلوؤں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔کبھی سیکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے، کبھی اہل علم کی فضیلت بیان ہوتی ہے اور کبھی اس بات کا بتایا جاتا ہے کہ اہل علم کا مقام اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد کے مقام سے کہیں بڑا ہے، کبھی یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک عالم کی قدر منزلت عابد سے زیادہ ہے۔

علم سیکھنے کی ترغیب: علم حاصل کرنے کی ترغیب پر سورہ علق کی ابتدائی آیات دلالت کرتی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اولین وحی میں نازل ہوئیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ O خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ O الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ O (۳)

پڑھ اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو جمے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا

رب بہت عزت والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے (انسان کو) سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

ابن عاشور اس سورت کے مقاصد ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (اس سورت کے نزول کا مقصد) محمد ﷺ کو قرآن کی تلقین اور اس کی تلاوت کا حکم دینا تھا اس لئے کہ وہ اس سے پہلے تلاوت کو نہیں جانتے تھے، اور اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ان کا علم اس طرح آسان ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کے دل میں کتابت کے ذریعے سیکھنے کا خیال پیدا کیا، اس بات پر قادر ہے کہ وہ شروع میں کسی کو سکھائے، نیز اس جانب بھی اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پڑھنے لکھنے اور سیکھنے کی معرفت حاصل کرے گی، اس کی توجیہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ موجودہ مخلوقات کے بارے میں غور وفکر کرنے سے کی جاسکتی ہے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے انسان کو عجیب طریقے سے جمے ہوئے خون سے پیدا کرنے میں غور وفکر کرنے سے، اور یہ غور وفکر کی ابتدا ہے۔ (۴)

اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب محمد ﷺ کو عمل سے پہلے علم حاصل کرنے کا حکم دینا بھی اس بات کی دلیل ہے۔ فرمان باری ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ (۵)

اور آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں پس آپ اپنے گناہ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اللہ سے معافی مانگئے، اور اللہ کو آپ کی بازگشت اور گھر معلوم ہے۔

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ جان لیں اے محمد! اللہ کے علاوہ کوئی معبود مناسب نہیں یا الوہیت کے لائق نہیں۔ آپ اور دیگر مخلوق کے لئے اسی کی عبادت کرنا ناگزیر ہے، جو مخلوق کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا مالک ہے اس کے علاوہ ہر چیز اس کی خالقیت کا مذہب اپناتی ہے۔ اور اپنے گناہ کی معافی مانگیں اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور آپ پر ایمان لانے والے مومن مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بھی مغفرت طلب کریں۔ (۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ علم کا راستہ جنت تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقا الى الجنة (۷)

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتے ہیں۔

یہ حدیث ذرا طویل انداز میں ترمذی میں آئی ہے۔

من سلك طريقا يلتمس به علماً سهل الله به طريقا من طرق الجنة، فان لملائكة لتضع اجنحتها رضاً لطالب العلم، وان طالب العلم يستغفر له من في السماء والأرض حتى الحيتان في الماء وان فضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر النجوم، ان العلماء هم ورثة الانبياء، وان الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً، وانما ورثوا العلم فمن اخذ به أخذ بحظه او بحظ وافرٍ (۸)

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کوئی راہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ آسان فرمادیتے ہیں، اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے اپنے پر بچھادیتے ہیں، طالب علم کے لئے زمین وآسمان کی (ہر مخلوق) حتی کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت طلب کرتی ہیں، عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر علماء انبیا کے وارث ہیں، انبیا نے وراثت میں دینار ودرہم نہیں چھوڑے، بل کہ انبیا کی وراثت علم ہے، یعنی جس نے اسے حاصل کیا اس نے اپنے حصے کے بہ قدر لیا یا پھر بہت بڑا حصہ لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين (۹)

اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متن میں علما کی تمام لوگوں پر فضیلت، نیز دین کی سمجھ بوجھ کا تمام دیگر علوم پر فضیلت کا واضح ذکر ہے۔ (۱۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وتعلم کی فضیلت کی وضاحت کے لئے ایک مثال بیان فرمائی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم وہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے، جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں اور کچھ زمین کے ٹکڑے جن پر پانی پڑا وہ بالکل چٹیل میدان ہیں، نہ پانی کو روکتے ہیں اور نہ سبزہ اگاتے ہیں تو یہ مثال ہے اس شخص کی جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور نفع دیا اس کو اس چیز نے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے، پس اس نے علم دین

سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔ (۱/۱۰)

علم وعلما کا مقام: علم اور اہل علم کے مقام عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی گواہی کے لئے اپنی گواہی کے ساتھ اہل علم کی گواہی کو مربوط کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ O (۱۱)

اللہ، فرشتوں اور علم والوں نے انصاف کے ساتھ گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے، اہل کتاب نے جان لینے کے بعد بھی جو اس دین سے اختلاف کیا تو وہ محض آپس کی ضد سے کیا اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اور اس کا گواہ ہونا ہی کافی ہے، وہ گواہوں میں سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ انصاف والا اور سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی وہ تمام مخلوقات کے لئے عبودیت الوہیت کے لئے منفرد ہے۔ اور تمام مخلوقات اس کے بندے اور اس کی محتاج ہیں۔ اور وہ ان سب سے بے پرواہ (بے نیاز) ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ

اور اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ پر نازل کیا۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ اور اہل علم کی شہادت کے ساتھ اپنی گواہی کو ملایا۔ تو فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ یہ علماء کی اس مقام پر بہت بڑی خصوصیت ہے۔ (۱۲)

ابن القیمؒ نے اہل علم کی فضیلت اور مقام کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے بہت سی وجوہات پر بھی نظر ڈالی ہے جو علما کے بلند مقام پر دلیل ہیں۔ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے توحید پر

اہل علم کی گواہی طلب کی جو اہل علم اور علم کی فضیلت پر دلیل ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

پہلی وجہ: انسانوں میں سے صرف ان ہی کی گواہی۔ دوسری وجہ: ان کی شہادت کو اپنی شہادت کے ساتھ ملانا۔ تیسری وجہ: ان کی شہادت کو فرشتوں کی شہادت کے ساتھ ملانا۔ چوتھی وجہ: اس کے ضمن میں ان کے تزکیہ نفس اور ان کے انصاف پسند ہونے کا اعتراف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے انصاف پسند کی گواہی طلب کرتا ہے۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے۔ آپ نے فرمایا:

یحمل هذا العلم من کل خلف عدولهٗ، ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین (۱۳)

اس علم کو (ہر شخص کے بعد) اس کے انصاف پرور لوگ اٹھائیں گے جو اس سے مبالغہ کرنے والوں کی تحریف ختم کریں گے، اور غلط سوچ والوں کے علمی سرقے کا انکشاف کریں گے اور جاہلوں کی کی گئی تاویلات کو دور کریں گے۔

پانچویں وجہ: اللہ نے جو سب سے بڑا شاہد ہے خود بھی گواہی دی ہے۔ پھر اپنی بہترین مخلوق سے فرشتوں کو گواہ بنایا ہے، اور اپنے بندوں میں سے علما کو گواہ بنایا ہے، یہی ان کے فضل وشرف کے لئے کافی ہے۔ چھٹی وجہ: اللہ نے ان تمام افراد سے سب سے بڑی، قابل عظمت قابل شہادت چیز یعنی اللہ کی توحید کی شہادت پر گواہی لی ہے۔ اور قابل عظمت اور بڑی چیزوں پر گواہی بھی بڑے اور قابل عزت افراد سے لی جاتی ہے۔ ساتویں وجہ: اللہ نے ان کی گواہی کو انکار کرنے والوں پر دلیل بنایا ہے۔ پس وہ اللہ کی توحید پر بہ منزلہ دلائل اور نشانیوں کے ہیں۔ کسی اور فعل پر ان کی گواہی کا عطف نہیں کیا گیا، یہ بات ان کی گواہی کے شدید ارتباط پر دلیل ہے۔ گویا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات عالی کے لئے ان کی زبانوں پر توحید کی گواہی دی۔ پس وہ اپنی ذات کے لئے شہادت کا خود گواہ ہوا اسے قائم کرنے، اسے بتانے اور سکھانے کے حوالے سے، اور وہ لوگ (علما) اس کا اقرار واعتراف وتصدیق کر کے اور اس پر ایمان لا کر اس کے گواہ ہوئے۔ (۱۴)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی آیات میں فرمایا ہے کہ وہ علما کے درجات بلند فرمائے گا۔ ارشاد باری ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۱۵)

اللہ تعالیٰ بلند کرے گا ان کے درجے کو جو تم میں اس پر ایمان لائے اور جنہیں علم عطا ہوا۔

اور یہ بات بھی واضح فرمائی کہ علما کا درجہ غیر اہل علم کے برابر نہیں ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا

الْاَلْبَابِ۝ (۱۶)

کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے (عالم) اور نہ جاننے والے (جاہل) برابر ہوتے ہیں، جن کو عقل ہے وہی یہ سوچتے ہیں۔

ابن القیمؒ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اہل علم اور غیر اہل علم کے مابین برابری کی نفی کی جس طرح اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان برابری کی نفی کی اور فرمایا قل ھل یستوی الذی یعلمون والذین لایعلمون. جیسا کہ اللہ نے فرمایا: لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ اصحاب الجنۃ اور اہل جہنم آپس میں برابر نہیں۔ اور یہ بات درحقیقت اہل علم کے شرف وعظمت پر دلیل ہے۔ (۱۷)

علمی منہج

دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے نظر، استدلال، تدبر وفکر اور مستقبل میں عمل کے لائحہ عمل کے لئے صحیح اور مناسب علمی منہج قائم کیا ہے اور ہر علم وفن جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے، بیان کیا ہے، نیز وہ تمام اصول بھی بیان کئے جو اس کی جانب لوٹتے ہیں اور اس سے نکلتے ہیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کی جانب آنے والی سطور میں اشارہ کریں گے۔

ا۔ **استدلال میں علمی منہج**: یہ منہج درحقیقت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم ہے، نفسانی خواہشات کی جانب نہیں جھکتا اور نہ ہی موروثی تقلید کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس کی بنیادیں درج ذیل ہیں:

الف۔ دلیل پر اعتماد کرنا اور دلیل سے غیر ثابت شدہ (دعوے) کو تسلیم نہ کرنا۔ اسی لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایمان کے مسائل میں کثرت کے ساتھ بڑی بڑی عقلی دلیلیں قائم فرمائی ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ (۱۸)

کیا انہوں نے زمین سے اور (دیگر) معبود بنالئے ہیں کہ وہ ان کو زندہ کردیں گے۔ اگر ان دونوں (آسمان اور زمین) میں اللہ کے علاوہ دیگر معبود ہوتے تو دونوں (آسمان وزمین) کا نظام خراب ہوجاتا، سو پاک ہے اللہ رب العزت جو مالک عرش ہے ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں جو وہ کرتا ہے اس بارے میں اس سے پوچھا نہ جائے گا اور ان سے

پوچھا جائے گا۔ کیا انہوں نے اس کے علاوہ بھی معبود بنالئے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل لے کر آؤ، یہی بات میرے ساتھیوں کی ہے اور مجھ سے پہلے (گزرنے والوں کی بھی)، لیکن ان میں سے زیادہ تر سچی بات کو نہیں سمجھتے اور وہ اس بات کو ٹال رہے ہیں۔

دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے دلیل قائم کی اور پھر مخالفین سے ان کے دعوے اور عمل پر دلیل برہانی طلب کی اور ھاتوا برھانکم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ اللہ نے عقلی دلیل کے ذریعے سے بھی سمجھادیا کہ معبود کھانے کا محتاج نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو کھانے کا محتاج ہوتا ہے تو پھر وہ دنیا چھوڑنے کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O (۱۹)

مریم کا بیٹا مسیح رسول ہے، اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اس کی ماں ولی ہے، دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے کہ ہم انہیں کس طرح (نشانیاں) دلائل بتاتے ہیں پھر دیکھئے کہ وہ کہاں الٹے جارہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان آدمی کو لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والا اور ان کا تابع بننے سے منع فرمایا ہے کہ وہ ان سے ہدایت کا سوال نہ کرسکے اور نہ ہی دلیل کے ذریعے ان سے رہنمائی حاصل کرسکے۔ سنن ترمذی میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(کسی کی) ہاں میں ہاں ملانے والے نہ بنو کہ تم یہ کہنے لگو، اگر لوگوں نے اچھا کیا تو ہم بھی بھلائی کریں گے، اور اگر ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے، اپنی جانوں کو آمادہ کرو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ بھلائی کریں تو تم بھی اچھائی کرو، اور اگر لوگ برائی کریں تو ان پر ظلم مت کرو۔ (۲۰)

ب۔ آباؤ اجداد کے گمراہ ہونے پر ان کی تقلید نہ کرنا اور نہ ڈرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ O وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ O قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ O (۲۱)

بل کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے قدموں

پر ہدایت پائے ہوئے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے جس کسی بھی ڈرانے والے (نبی ورسول) کو کسی گاؤں میں بھیجا تو وہاں کے خوش حال لوگ کہنے لگے، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقوش قدم پر چلتے ہیں۔ وہ بولا، اگر میں تمہیں تمہارے باپ دادا سے زیادہ سوجھ بوجھ والی راہ لادوں (یعنی بتادوں) تو یہ کہنے لگے، ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے۔

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آباؤ اجداد کی اتباع ترک نہ کرنے والا فرد حق اور سچ کو چھوڑ دیتا ہے، اگر چہ اس پر حق اور اس کی سچائی واضح ہو جائے۔

ج۔ انسان کو پیش آمدہ چیزوں (امور) میں تدبر وتفکر، اور ان میں اپنی عقل کو کام میں لانا اور اپنی سوچ اور فکر کے ساتھ ان میں غور کرنا، تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ (اگر) وہ سچ ہے تو اس کا اتباع کیا جائے، یا غلط ہے تو اجتناب کر کیا جاسکے۔ ارشاد باری ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا O (۲۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہ کثرت اختلافات پاتے۔

(اسی سبب) اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر قرآن نازل فرمایا جو قیامت تک تلاوت کیا جائے گا اور اللہ نے انسانوں کو اس میں غور وفکر کی جانب بلایا، اور انہیں اس میں بگاڑ کا امکان نہ ہونے کی جانب رہ نمائی کی کیوں کہ وہ ایک اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہے، تو اس لئے فرمایا کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ لوگ اس میں بہت سے اختلافات کو پاتے۔ قرآن میں چوں کہ اختلاف نہیں ہے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

درج ذیل آیت کریمہ میں پیش کی جانے والی دعوت اور بلیغ نصیحت پر غور فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ ج اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ O (۲۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے نام پر ایک ایک اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر دھیان کرو اس بات میں کہ تمہارے رفیق کو پاگل پن نہیں ہے یہ ایک بڑی آفت کے آنے سے پہلے تم کو (اس سے) ڈرانے والا ہے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ اللہ کی خاطر نصیحت اور نفس کی محبت چھوڑنے کے لئے دو دو ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں، تم میں سے ایک شخص دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو پھر دونوں ایک مناظرے پر متفق ہوں (اس سوال پر کہ) کیا محمد ﷺ میں آپ نے کبھی جنون کو پایا ہے پھر ہر ایک تم میں سے الگ ہو جائے اور غور و فکر کرے کہ کیا ایسا ہے، پس اس وقت تم جانو گے کہ وہ اللہ کی جانب سے ڈرانے والے ہیں۔ (۲۴)

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں آپ سے صرف اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ صرف اللہ کی خاطر کھڑے ہوں جس میں کوئی تعصب و دشمنی نہ ہو، دو، دو ایک ایک یعنی اجتماعی اور انفرادی طور پر، پھر اس کے بارے میں سوچو جو اللہ کی جانب سے رسالت لے کر آیا ہے، کیا اسے جنون کی شکایت ہے یا نہیں؟ جب آپ یہ عمل کر لیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ وہ اللہ کے سچے اور حقیقی رسول ہیں۔ (۲۵)

د۔ غیبی معنوی امر پر دلیل حسّی سے استدلال کرنا، یہ چیز وحدانیت اور بعث وغیرہ کے امور پر استدلال میں انتہائی واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلاً مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَل لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَارَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (۲۶)

اللہ نے تمہارے لئے ایک تمہاری ہی مثال بیان فرمائی ہے۔ جو کچھ رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو جاؤ، تم ان سے ڈرنے لگو جیسا کہ اپنوں سے ڈرتے ہو عقل مندوں کے لئے ہم اسی طرح کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

اور اللہ صاحب عزت و عظمت نے فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲۷)

اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تو زمین کو دبا پڑا ہوا دیکھتا ہے، پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ تازہ ہو گئی اور ابھر گئی، بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو بھی زندہ کرے گا، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہ۔ نفسانی خواہشات کا عدم اتباع اور اس سے دوری، اور انسان کا راہ نما سچ کی طلب کرنا (تلاش) اور باطل سے گریز اختیار کرنا ہو، نفسانی خواہشات کی اتباع کے لئے تعصب نہ ہو، اللہ کا فرمان ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ O (۲۸)

اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہر چیز میں فساد برپا ہو جاتا، بل کہ ہم نے تو ان کو ان کی نصیحت پہنچادی۔ پھر بھی وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑتے رہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَ هُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ O (۲۹)

پھر اگر یہ آپ کا مطالبہ پورا نہ کریں تو آپ سمجھ لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اس سے بڑھ کر کون گم راہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور ہم ان کے لئے اپنا کلام پے در پے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

و۔ علمی حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور سیکھی جانے والی شے (یا علم) کے بارے میں اپنی ذات کو قابل توجہ نہ گردانا، یہ اس لئے کہ قرآن کریم نے ہماری اس جانب رہ نمائی فرمائی ہے کہ انسان اپنی والدہ کے پیٹ سے جاہل پیدا ہوتا ہے کچھ نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O (۳۰)

اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو۔

ہمیں اس بارے میں مطلع کیا کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ انسان کو عطا فرماتا ہے وہ اس علم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جسے انسان اپنی محنت اور جد و جہد سے حاصل کرتا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۳۱)

اور تمہیں علم کا تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔

اس نسبت سے اس چیز کا موازنہ کرنا چاہئے کہ انیسویں صدی کا انسان اشیا موجودات کا کتنا علم رکھتا تھا اور بیسویں صدی کا انسان اس سے کتنا زائد علم رکھتا تھا۔ جب انسان اس حقیقت کو جان لے گا اور اپنے علم میں پختہ ہو جائے گا تو اس میں تواضع وانکساری آئے گی۔ اور وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ جتنا کچھ وہ جانتا ہے وہ اس چیز سے کم ہے جو وہ نہیں جانتا۔ اور حاصل شدہ علم کو غیر معلوم کو تلاش کرنے میں صرف کرے گا، یوں اس کے پاس موجود علم مزید علم کو جاننے کا راستہ بن جائے گا۔ (علم کے حصول پر) انسان کو غرور وتکبر کا شکار نہ ہونا چاہئے کہ وہ خیال کرنے لگے کہ وہ اپنے مقصد اعلیٰ تک پہنچ گیا ہے، پھر وہ مزید تلاش، حصول اور انکشافات کی کوششیں ترک کر دیتا ہے۔

اس میں ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ انسان جب اپنے علم سے دھوکہ کھاتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے تو ناقابل شک سچائی بھی اس سے لوٹ (واپس ہو) جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (۴۰)

پھر جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی (واضح) نشانیاں لے کر پہنچے تو وہ اپنے پاس موجود علم (خبر) پر اترانے لگے اور ان پر وہ چیز الٹ پڑی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

۲۔ جدید علم کی اسلامی تعلیمات سے موافقت: کلیسا جدید علمی نظریات کے خلاف معاندانہ موقف رکھتا تھا اور اس نے ہر ایسے عالم کے قتل اور قید کا حکم جاری کیا تھا جو کسی ایسے نظریے یا انکشاف (دریافت) تک پہنچ جائے جو کلیسا کی تائید نہ کرتی ہو۔ مگر قرآن کریم نے علم وتعلم سیکھنے اور سکھانے پر اپنے پیروکاروں کو ابھارا، اور اللہ اور لوگوں کے ہاں علما کا مقام بیان کیا، قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جو آسمان وزمین کی تخلیق کی بنیاد کے بارے میں بتاتی ہیں۔ اولین انسان کی تخلیق کا بھی ذکر ہے اور اس سے آگے چلنے والی نسل کا بھی، ایسی آیات بھی ہیں جو تاریخ میں رونما ہونے والے گزشتہ واقعات کی خبر دیتی ہیں۔ یہ آیات ہمارے لئے اس بات کی تشریح بھی کرتی ہیں کہ کس طرح بادل بنتے ہیں؟ ہوائیں کیسے چلتی ہیں؟ اور اسی طرح کی دیگر اشیا جن پر قرآن کریم مشتمل ہے۔ ان تمام علمی امور پر آج کا جدید علم اس دور میں مطلع ہوا ہے، اس طرح اس میدان میں بھی فوقیت قرآن کریم کو ہی حاصل ہے۔ قرآن کریم کو دیگر آسمانی کتابوں میں بھی اسی حوالے سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ معاصر علما ومحققین اور سائنس دان (مسلم یا غیر مسلم) قرآن میں ایک بھی غلطی نہیں پا سکے، اس بات کا اعتراف بہت سے مصنف مغربی

محققین نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں سرفہرست فرانسیسی ڈاکٹر موریس بوکائے کا قبول اسلام کا واقعہ ہے جنہیں اس بات (اسلام کی حقانیت اور قرآن کی ہر آیت کی سچائی) نے اسلام قبول کرنے کی طرف راغب کیا۔ یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے علم جدید کے نتائج وثمرات اور آسمانی کتب (قرآن، توریت، انجیل) میں موجود تعلیمات کا موازنہ کیا تو ان کے سامنے واضح ہوا کہ قرآن میں موجود اشیا علم کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ موجودہ توریت اور انجیل علم کے خلاف مواد کی حامل ہیں اور ایسے مسائل پر مشتمل ہیں جن کی بحث ہی ختم ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی کتاب القرآن والتورۃ والانجیل و العلم، دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف العلمیۃ الحدیثۃ، تصنیف کی جس کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر بوکائے اپنی کتاب کے آخر میں اپنی تحقیق کے نتائج یوں تحریر کرتے ہیں۔

تضادات، ناممکنات اور تناقضات جو جدید سائنسی معلومات سے ہوتے ہیں ان کو ان الفاظ میں بہ آسانی بیان کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں صدر میں بتایا جاچکا ہے۔ لیکن عیسائیوں کو زیادہ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ جدید مطالعے کے بہت سے بدیہی نتائج میں دھوکہ دینے کی غرض سے متعدد سرکاری شارحین کی ایسی مسلسل اور دور رس کوششیں رہی ہیں کہ انہوں نے عذر خواہانہ ترنم ریزی سے نغمہ کے سروں کو ترتیب دے کر بڑی چالاکی کے ساتھ منطقی نوعیت کے مداریوں کا کردار ادا کیا ہے۔ قرآن مجید ان دونوں صحیفوں سے جو اس سے قبل نازل ہوئے تھے بڑھ چڑھ کر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں، اور اپنے بیانات کے لحاظ سے تضادات و تناقضات سے پاک ہے۔ جب کہ اناجیل میں انسان کی کارگزاریوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ قرآن کی ان لوگوں کے لئے جو معروضی طور پر اور سائنسی اعتبار سے اس کا جائزہ لیتے ہیں ایک الگ خوبی ہے۔ وہ خوبی جدید سائنسی معلومات سے اس کی کلی طور پر مطابقت ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ کہ اس میں ایسے بیانات موجود ہیں (جیسا کہ بتایا جاچکا ہے) جو سائنس سے مربوط ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا کوئی شخص اس کی مصنف ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سائنسی معلومات ہی نے ہمیں قرآن کریم کی بعض آیات کو سمجھنے کا موقع دیا ہے جن کی توضیح کرنا اس زمانے میں ممکن نہ تھا۔ (۳۳)

۳۔علوم وفنون کے مختلف اصول وضوابط کی جانب رہ نمائی: اسلام صرف عبادت کا منہج نہیں ہے، بل کہ ایک ضابطہ حیات ہے جس میں انسان کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔اس لئے یہ زندگی کے تمام بڑے پہلوؤں کے اصول وضوابط پر محیط ہے۔ہم ان میں سے چند اہم اصول وضوابط کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف۔اخبار واقوال کے سلسلے میں عمل کے اصول: اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بہت سے اصولوں کی جانب رہ نمائی کی ہے۔جن میں سے ایک اصول خبر کے ملنے پر اس کی تصدیق کرنا اور گواہی طلب کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ O (۳۴)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر جا پڑو اور پھر کل کو اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔

اس کا ایک اصول ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو وہ نہ کہیں یا جھوٹ بول کر یہ دعوی نہ کریں کہ میں نے سنا اور دیکھا ہے۔اللہ کا فرمان ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا O (۳۵)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کی تجھے خبر نہیں، بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب کی پوچھ گچھ ہوگی۔

ابن جریر نے فرمایا ہے کہ جس کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو ایسی بات مت کہو۔اور (اس کے معنی میں) کہا گیا ہے جب آپ نے نہ دیکھا ہو تو یہ مت کہیں کہ میں نے دیکھا ہے، اور آپ نے سنا نہ ہو تو یہ مت کہیں کہ میں نے سنا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال وافعال کے بارے میں آپ سے سوال کرنے والے ہیں۔(۳۶)

ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے کوئی بات کہہ دینا یا اللہ کی ذات سے منسوب کردینا، شرک سے بھی بہت بڑا گناہ ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O (۳۷)

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی، نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اس کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔

ان ہی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ جھوٹ سے عمومی طور پر بچا جائے اور خصوصی طور پر ایسے جھوٹ سے جو دنیا میں پھیل جائے اور اس کا دائرہ اثر بھی وسیع ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کی اس قسم کے حامل فرد کی سزا بیان فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

وہ شخص جس پر سے میں گزرا (اور وہ اس حال میں تھا کہ) وہ اپنے جبڑے کو گدی تک اور ناک کو گدی تک اور آنکھ کو گدی تک چیر رہا تھا، یہ وہ شخص تھا جو صبح کو اپنے گھر سے نکلتا تھا تو ایسا جھوٹ بولتا تھا جو پوری دنیا میں پہنچتا تھا۔ (۳۸)

ب۔ قوت اور طاقت حاصل کرنے کے اصول: تاکہ امت کسی ناگہانی آفت (مصیبت) میں نہ پڑے اور حملے کے وقت مغلوب نہ ہو جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۳۹)

اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت تم سے بن پڑے ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو۔

اس تسلسل میں ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ (۴۰)

اے ایمان والو! (دشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو۔

اللہ کے اس حکم کو آج کے دور میں (مختلف افواج) اپنی پہچان (لوگو) کے طور پر اپناتے ہیں۔

ج۔ تنظیمی قیادت (انتظامی قیادت) کے اصول: اس موضوع کو واضح کرنے والی آیات واحادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، ہم یہاں چیز آیات واحادیث ذکر کریں گے جو استشہاد کے لئے کافی ہیں۔ قرآنی آیات میں عمومی مسئولیت اور انفرادی مسئولیت پر بہت زور دیا گیا ہے، اور یہ کہ تمام عمل کرنے کے پابند نہیں اور نتائج پر قابل احتساب ہیں۔ اللہ تعالیٰ انفرادی مسئولیت کے سلسلے میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (۴۱)

انسان! تجھے اپنے رب کی طرف خوب کوشش کرنی اور اس سے ملنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗO وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۴۲)

سو جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

اجتماعی مسئولیت کے بارے میں ارشاد باری ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO (۴۳)

اور (ان سے) کہو کہ تم عمل کرتے رہو، اب اللہ بھی تمہارا طرز عمل دیکھے گا اور اس کا رسول بھی، پھر تمہیں لوٹا کر اس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے رہ نمائی فرمائی ہے کہ کام کرنے والے میں دو بڑی صفات ہونی چاہئیں، طاقت اور امانت، ارشاد باری ہے:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُO (۴۴)

ان دونوں میں سے ایک بولی: اے والد! اس کو نوکر رکھ لیں، بے شک بہتر نوکر جسے آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو زور آور اور امانت دار ہو۔

یہ تمام اصول مسلمان کو چاہے وہ تابع ہو یا متبوع، مسئولیت کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہیں، سو وہ ایسا کوئی کام نہ کرے جو دوسروں کے نقصان کا باعث بنے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ کل اس سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ اس کے بارے میں فرانسیسی مسلم مفکر روجیہ جارودی کہتا ہے کہ مغربی اور اسلامی تہذیب میں فرق صرف دو سوال ہیں۔ مغرب ہمیشہ کیسے سے سوال کرتا ہے۔ اور مسلم ہمیشہ کیوں سے سوال کرتا ہے۔ پہلا سوال تباہ کن (اور مہلک) ہے۔ اس لئے کہ وہ کیفیت کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ نتیجے کے بارے میں سوال نہیں کرتا۔ اسی لئے اس سوال نے ایٹم بم کو جنم دیا۔ اس لئے کہ سوال یہ تھا کہ ہم کیسے دشمن کو ختم کریں اور اس کی مملوکہ (اشیا) کو باقی رکھیں؟ دوسرا سوال، ایجابی سوال ہے، اس لئے کہ وہ عمل کی ابتدا سے پہلے اس کی غایت (مقصد) کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

د۔ اخلاقی اصولوں پر دلالت: قرآن کریم نے اس کے اصل اور اعلیٰ حصے کی جانب رہ نمائی کی

ہے۔ ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO (۴۵)

اور قسم ہے جی کی اور جیسا کہ اسے ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو بدی اور پرہیز گاری کی۔ جس نے اسے سنوار لیا (وہی درحقیقت) کام یاب ہوگیا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ نامراد ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ انسانوں میں سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم نے تمام لوگوں کے ساتھ اچھے اور بہترین اخلاق کے ساتھ معاملات کرنے کی طرف رہ نمائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۴۶)

اور تم لوگوں سے بھلی بات کہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے کمال کی نشانی یہ بتائی کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند کرے جو وہ اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لایؤمن احدکم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہٖ (۴۷)

تم میں سے کسی کا ایمان (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ہ۔ اقتصادی اصولوں پر دلالت: چوں کہ کوئی بھی تہذیب مضبوط اور مستحکم اقتصاد کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو مشروع کیا اور سود کو حرام قرار دیا، ارشاد باری ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۴۸)

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا ہے کیوں کہ یہ عمل معاشیات کی بنیادیں منہدم کردیتا ہے۔ شارع نے فضول خرچی کی بیماری سے بھی بچنے کی تاکید کی ہے جس کے ساتھ معاشیات کا چلنا ناممکن ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَO (۴۹)

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوش نمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ۔ اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

و۔ صحت کے عام اصولوں پر دلالت: نبی ﷺ نے علاج کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تداووا عباد الله فان الله لم يضع داء الا وضع له معه شفاء الا انهرم (۵۰)

اللہ کے بندو! علاج معالجہ (کیا) کرو، بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی بیماری کو بغیر دوا کے پیدا نہیں فرمایا سوائے بڑھاپے کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول صحت کی سب سے بڑی بنیاد ''بیماری آنے سے پہلے حفاظتی تدابیر'' کی تعلیم دی اور فرمایا:

من تصبح كل يوم سبع تمرات عجوة لم يضره في ذلك اليوم سم ولا سحر (۵۱)

جو شخص ہر روز صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھائے تو اس دن کوئی جادو یا زہر اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

من اكل سبع تمرات مما بين لابتيها حين يصبح لم يضره سم حتى يمسي (۵۲)

جو شخص صبح کے وقت سات کھجوریں کھائے تو شام تک اس پر کوئی زہر اثر نہیں کرے گا۔

ان احادیث میں امراض میں گرفتار ہونے سے پہلے ان سے بچاؤ کے اقدامات اور احتیاط کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی احتیاط کی بنا پر آپ ﷺ نے وبائی علاقوں میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

اذا كان الطاعون بأرض فلا تهبطوا عليه، واذا كان بارض وانتم بها فلاتفروا منه (۵۳)

جب کسی زمین (علاقے) میں طاعون ہو تو وہاں مت جاؤ اور اگر آپ کسی علاقے میں ہوں اور وہاں طاعون آجائے تو وہاں سے فرار مت ہو۔

اور کسی متعدی مرض میں مبتلا مریض کو صحیح آدمی کے پاس لے جانے یا اس کے قریب ہونے سے بھی منع فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

لا يورد ممرض على مصح (۵۴)

ہرگز کسی مریض کو صحیح آدمی پر نہ لایا جائے۔

اسباب تلف ونقصان سے بچنے کے لئے لازمی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے۔

اطفئوا المصابیح اذا رقدتم، وغلقوا الابواب وأوکوا الأ سقیة، وخمروا الطعام والشراب (۵۵)

سوتے وقت چراغ بجھادیا کرو، اور دروازے بند کردیا کرو، اور پینے کی اشیا (گلاس) کو ڈھانپ کر کے رکھو، اور پانی اور کھانے کو ڈھانپ کر رکھو۔

اس میں ایسے چراغوں کے استعمال سے جن میں شمع یا گیس یا اس طرح کی چیزیں استعمال ہوتی ہیں، تنبیہ کی گئی ہے نیز دروازے بند کرنے اور کھانے پینے کی اشیا کو ڈھانپ کر رکھنے کی تنبیہ کی گئی ہے تاکہ ان میں جراثیم اور دیگر نقصان دہ چیزیں داخل نہ ہوں۔

یہاں ہم ان ہی ذکر کردہ اصول پر اکتفا کرتے ہیں، کیوں کہ اگر ہر علم وفن کے اصول بیان کئے جائیں تو پھر مقالے کی مقصدیت اور ضخامت متاثر ہوگی، جس کا مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔

دین

دین تہذیب کی اہم ترین اور سب سے بڑی بنیاد ہے، نہ صرف تہذیب بل کہ زندگی کی سب سے بڑی قدر دین کو کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر کوئی بھی قوم مذہب کے بغیر نہیں پائی جاتی، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ دین ایک فطری چیز ہے اور اسلام اس فطری چیز کی تکمیل کے لئے آیا ہے۔ اور وہی صحیح دین ہے۔ اس عنوان کے تحت ہم آنے والے بہت سے نکات درج کریں گے۔

تعریف: دین (زبر کے ساتھ) جزا (بدلہ) کے معنی میں آتا ہے۔ نیز اس کے بعض معانی یہ ہیں۔ عادت، عبادت، حساب، قہر، تابع داری، بااختیار، سلطان، بادشاہ، حکم، سیرت، تدبیر۔ دیّان کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والا، قاضی، حکم ران، قہر وغضب والا، حساب لینے والا، اچھا یا برا بدلہ دینے والا جو عمل ضائع نہیں کرتا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ (۵۶) یعنی کیا ہمیں بدلہ ملے گا؟ کیا ہمارا حساب ہوگا؟ (۵۷)

راغب نے مفردات میں کہا ہے کہ دین اطاعت اور بدلے کو کہا جاتا ہے، اور استعارتاً اس سے شریعت مراد ہے۔ (۵۸)

فیروز آبادی کہتے ہیں کہ دین ان تمام افعال واعمال کا نام ہے جن سے اللہ کی بندگی کی جاتی ہے۔ (۵۹)

بعض علما اسلام نے دین کی یہ تعریف کی ہے کہ دین خدائی طریقہ کار ہے جو عقل سلیم رکھنے والے افراد کو ایسی (راہ پر) لے جاتا ہے جس کے اندر زمانہ حال میں ان کی بھلائی اور مستقبل میں کام یابی ہے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کے مطابق اس کی تلخیص یوں بھی کی جاسکتی ہے:

خدائی طریقہ کار جو اقتصادیات میں سچ کی جانب رہ نمائی کرتا ہے اور معاملات واخلاق میں بھلائی کی جانب رہ نمائی کرتا ہے۔(۶۰)

ابن الکمال نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

طریقہ خداوندی جو صاحب عقل افراد کو رسول کے پاس موجود چیز کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔(۶۱)

یہ تو مسلمان علما کے ہاں تعریفات تھیں۔ علمائے مغرب کے ہاں دین کی تعریفات میں ان کے مسلک ومشرب، اعتقاد، دین اور حق میں اختلاف کے سبب تفاوت واقع ہوا ہے۔ عمرانیات کے ماہرین کی تعریف فلاسفہ کی تعریف سے میل نہیں کھاتی، اسی طرح دیگر مکاتب ہائے فکر کے علما کی تعریف سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔ ذیل میں ہم انہیں بیان کرتے ہیں۔ معجم فلسفہ میں اس کی تعریف یوں مرقوم ہے:

معتقدات وعبادات کا ایک مجموعہ جس پر معین افراد کی ایک جماعت فرد اور معاشرے کی ضرورت کی تکمیل کے لئے مساوی طور پر ایمان لاتی ہے، اس کی بنیاد وجدان ہے اور عقل کا بھی اس میں دخل ہے۔(۶۲)

مغربی عمرانیات کے ماہرین کے مطابق اس کی تعریف درج ذیل ہے:

ایک اجتماعی نظام جو کسی ایک یا زائد موجود اشیا یا طبیعت سے بالا چیز پر، پر قائم ہوتا ہے اور انسان اور ان موجودات کے مابین تعلقات وروابط کو بیان کرتا ہے (یہ) کسی بھی معین ثقافت کے تحت متصور ہوتا ہے تاکہ عمرانی طریقہ یا اجتماعی تنظیم بن جائے، اس قسم کے طرز اور طریقے دین کے نام سے معروف ہیں۔(۶۳)

احمد عجیبہ نے دین کی بہت سی تعریفات نقل کی ہیں اور انہیں تعریفات کے بیان کرنے کے اصول کے مطابق تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ہم ان میں سے ایک ایک تعریف ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا مقصد دلیل پیش کرنا ہے، نقد اور رد کرنا نہیں۔

پہلی تعریف: دین خالق کی جانب مخلوق کے فرائض کے مجموعے کا نام ہے۔ اور اللہ کی جانب انسان کے فرائض کا مجموعہ ہے۔ اور اجتماعی وذاتی فرائض وواجبات کا مجموعہ ہے۔ یہ تعریف منہج باطنی کی تعریفات کے مطابق ہے۔

دوسری تعریف: ایک دفاعی ردعمل جو انسانی طبیعت کے موافق ہوتا ہے اور اس میں عقل کا ہاتھ بھی

ہوتا ہے، جو کبھی کبھی فرد کے قوی کو مفلوج کر دیتا ہے اور معاشرے کے باہمی ارتباط اور جوڑ میں خلل ڈال دیتا ہے۔ یہ تعریف اندازے پر مبنی تعریفات میں سے ہے۔

تیسری تعریف: انسان کا اپنے شعور کو اپنے برتاؤ کی جانب متوجہ کرنا اپنی روح اور اور عمل کی روح کے مابین رابطے کے ذریعے اس پر اور تمام جہان پر تسلط کے ساتھ، اور اس کے لئے اس اتصال کا محسوس کرنا خوش گواری کا باعث ہونا۔ یہ تقابلی طریقہ ہائے تعریف پر کی گئی تعریف ہے۔ (۶۴)

ان مغربی تعریفات کا جائزہ لینے کے بعد ان میں موجود بنیادی اختلاف واضح ہو جاتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ان تعریفات کے بیان کرنے والوں کے ادیان میں اختلاف، ان کے ثقافتی و تہذیبی مشرب کی تعددیت (یونانی، رومن اور عیسائی) اور جدید فلسفہ ہے۔ جس کی بنا پر ان کا ایک معتبر تعریف پر متفق ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے جیمس فریزر نے کہا کہ اس دنیا میں ایسا کوئی موضوع نہیں جس میں آرا کا اختلاف نہ ہو، لیکن سب سے زیادہ اختلاف جو دیکھنے میں آیا ہے وہ دین کی طبیعت کے حوالے سے دیکھنے میں آیا ہے۔ (۶۵)

رؤوف شلبی نے دین کی تعریف میں پیدا ہونے والے اختلافات کے درج ذیل اسباب و وجوہ بیان کئے ہیں۔

۱۔ قدیم بت پرست اقوام کے دین سے وراثت کے طور پر حاصل شدہ تاریک اور گم راہ تعلیمات کی کثرت

۲۔ ان کی دینی کتب میں ایسی نصوص کی عدم موجودگی جو دین کا مفہوم واضح کر سکیں۔

۳۔ انہیں وراثت میں ملنے والے عقائد اور ان کے ذہن میں موجود عقائد کا واضح نہ ہونا۔

۴۔ عقلی مفروضات کے دائرۂ کار کا ناقص ہونا جسے انہوں نے دین اور تدین کے مناقشے کے لئے بنایا تھا۔

۵۔ دین کی تفسیر کے لئے استعمال کی جانے والی علمی کسوٹیوں کا فاسد ہونا۔ (۶۶)

ان اسباب میں درج ذیل کا اضافہ ممکن ہے:

☆ صحیح دین سے ان کی عدم معرفت، اس لئے ان کی تعریفات ان کے اپنے (باطل) دین سے آتی ہیں۔

☆ صحیح دین الٰہی (جو نازل ہوا ہے) اور انسان کے وضع کردہ ادیان میں عدم تفریق۔

اہل مغرب اور مسلمان علما کی تعریفات کا موازنہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک نے اپنے علم

کی معرفت اور ذہن میں موجود افکار کے مطابق دین کی تعریف کی ہے۔ مسلمان عالم نے اللہ کی جانب سے نازل کردہ صحیح دین کو پہچانا اس کی ویسے ہی تعریف کی جیسا کہ وہ اس پر ایمان لایا، اور مغربی عالم جو صحیح دین کے سائے میں نہیں رہا، بل کہ اس نے خود ساختہ فلسفے اور تحریف شدہ دین کے ساتھ زندگی گزاری تو وہ ایسی تعریف لے کر آیا جو خود اس کی فہم سے بھی بالاتر تھی، اسی وجہ سے اس کا خود اپنی پیش کردہ تعریف پر ایمان لانا بھی ممکن نہ رہا۔

صحیح دین کے ضوابط: دین کی تعریف کے بعد ضروری ہے کہ وہ اصول وضوابط بیان کردیئے جائیں جو صحیح دین اور تحریف شدہ دین (جسے انسان نے بنایا ہے) کے درمیان فرق واضح کرسکیں۔ وہ ضوابط درج ذیل ہیں۔

۱۔ دین اللہ کی جانب سے ملائکہ میں سے کسی فرشتے کے ذریعے رسولوں میں سے کسی رسول پر نازل ہوا ہو تاکہ وہ اسے اللہ کے بندوں تک پہنچائے واس بنا پر ہر وہ دین جو کوئی شخص لے کر آئے اور اپنی عبادت کی جانب بلائے تو وہ دین لامحالہ باطل ہے۔

۲۔ دین اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عبادت کی جانب بلائے اور شرک کے حرام ہونے اور اس کی جانب لے جانے والے وسائل کی بھی حرمت کا داعی ہو۔

۳۔ دین ان اصولوں سے متعلق ہو جن کی طرف تمام انبیاورسل نے دعوت دی ہے۔

۴۔ اللہ کی شریعت کی جانب ہدایت کا ضامن ہو، نیز انسان کے سامنے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے متعلق بڑے بڑے حقائق کو بہ مع اس کی صفات، اسما اور افعال کے بیان کرے اور اس جہان میں ماضی اور مستقبل کے امور غیبیہ کو بیان کرے اور انسانی نفس کے حقائق، اس کی اصلاح، صفائی اور شقاوت کے امور بتائے۔

۵۔ اس کا بعض حصہ (تعلیمات) اپنے کسی دوسرے حصے (تعلیمات) سے مختلف اور متناقض نہ ہوں کہ کبھی ایک کام کا حکم دے اور پھر کسی دوسرے حکم سے اس کام سے روک دے یا کوئی چیز حرام کرے اور پھر وہی چیز بغیر کسی وجہ کے حلال کردے۔

۶۔ احکامات، منہیات، وعیدوں اور اخلاق کے ذریعے لوگوں کے دین، جان، عزت وآبرو، اولاد اور تاوانِ خون (دیت) وغیرہ تمام امور کی حفاظت کا ضامن ہو۔

۷۔ دین اپنی جانوں پر خود ظلم کرنے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنے کے حوالے سے مخلوق کے لئے دین رحمت ہو۔

۸۔ مکارم اخلاق وافعال کی جانب دعوت دے۔

۹۔ ایمان لانے والے کے لئے کام یابی یقینی بنائے۔

۱۰۔ سچائی کی طرف رہ نمائی کرے اور باطل سے بچائے۔ ہدایت کی طرف رہ نمائی کرے، گم راہی سے دور کرے اور لوگوں کو سیدھی راہ کی جانب بلائے۔ (۶۷)

دین کی ضرورت: صحیح دین اور تحریف شدہ دین کے درمیان فرق اور تمیز کرنے والے اہم ضوابط کے بیان کے بعد ضروری ہے کہ اس بات کو ذکر کیا جائے کہ کیا انسان دین صحیح کا محتاج ہے یا یہ صرف ایک فکری تعیش ہے جس سے استغنا ممکن ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے لازم ہے کہ ہم اپنے ساتھ انسان اور اس کے مادہ تخلیق اور اس کی تخلیق کے مقصد کو ملحوظ رکھیں۔ انسان روح اور مٹی کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور روح اور جسم کے ساتھ اس کی تکوین کی گئی ہے۔ اور وہ ایسے معاشرے میں رہتا ہے جسے خواہشات کے مجموعے اختلاف کا شکار بنائے رکھتے ہیں اور ایسے فرائض بھی ہیں جو اللہ کی جانب سے مقرر کردہ اعمال کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا بدلہ ضروری ہے۔ اگر اچھا کیا تو اچھا اور برا کیا تو برا۔

اگر آپ ہر زمان ومکان میں انسان (کے بارے میں) غور وفکر کریں تو وہ دین دار مخلوق کی شکل میں ملتا ہے، یعنی انسان دین کے بغیر زندگی نہیں گزارتا، یہی چیز انسان کی دین کی طرف زیادہ ضرورت کو ظاہر کرتی ہے۔ انسان کے لئے اس کا دین، ڈاکٹر، کھانے اور رہنے کی ضروریات سے زیادہ اہم ضرورت ہے۔ جیسا کہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ (۶۸)

دین کی ضرورت واحتیاج کے اسباب ووجوہات بہت زیادہ ہیں۔ اور مختلف محققین نے اس کے مختلف اسباب ووجوہات بتائے ہیں۔ بیسویں صدی کا معجم لاروس کہتا ہے کہ دینی خصلت تمام اجناس بشری میں مشترک ہیں۔ حتی کہ وحشی ترین انسانی قوم میں بھی اور حیوانی زندگی کے زیادہ قریب قوم میں بھی۔ (۶۹)

آرنلڈ ٹائن بی کہتا ہے کہ دین کی حقیقت انسانی طبیعت کی طرح ثابت شدہ ہے۔ دین حقیقت میں ذاتی صفت ہے جو انسانی طبیعت کو ممتاز کرنے والی ہے۔ (۷۰)

ڈاکٹر قرضاوی کہتے ہیں کہ انسان کی دین کی جانب ضرورت عام ہے اور اسلام کی جانب خاص ہے۔ ثانوی اور ذیلی ضرورت نہیں۔ یہ بنیادی اور حقیقی ضرورت ہے جو زندگی کے وجود کے ساتھ متصل ہے اور وجود کے راز سے متعلق ہے اور انسانی گہرائیوں میں موجود ہے۔

یہاں ہم انسان کی دین کی جانب احتیاج کی وجوہات پر نظر ڈالیں گے۔

۱۔ عقل کا انسانی وجود میں پائے جانے والے بڑے حقائق کی معرفت۔ انسان کی ایک دینی

عقیدے کی جانب احتیاج، انسان کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے نفس اور اپنے اردگرد موجود دنیا کے وجود کے بارے میں جانے اور ان سوالوں کے جوابات تلاش کرے جو دنیا کے فلسفیوں نے پیدا کئے اور ان کے قابل تشفی جوابات نہ دے سکے۔ انسان کو اپنی پیدائش سے ہی ایسے سوالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کہاں سے؟ کس جانب؟ اور کیوں۔ اور جب اس کی ذات ان سوالوں کے جواب کی طلب میں مشغول ہوگی تو یقیناً ایک دن اس کا جواب پالے گی۔

(الف) انسان اپنے آپ سے کہتا ہے: میں کہاں سے آیا؟ اور میرے اردگرد موجود یہ عالم رنگ وبو کہاں سے تخلیق ہوا؟ کیا میں خود پیدا ہوا یا کوئی پروردگار ہے جس نے مجھے پیدا کیا؟ وہ کون ہے؟ میرا اس سے کیا تعلق ہے؟ اسی طرح یہ بڑی سی دنیا اپنی زمین، آسمان، حیوانات، نباتات، جمادات اور سیاروں کے ساتھ کیا خود بہ خود وجود میں آگئی یا پھر کسی تدبیر والے خالق نے اسے پیدا کیا ہے؟

(ب) پھر اس زندگی کے بعد کیا ہے؟ اور موت کے بعد کیا ہے؟ اس دنیا میں ایک مختصر عرصہ گزارنے کے بعد کہاں کی روانگی ہوگی؟ کیا یہی زندگی کی کہانی ہے کہ جسم کو پھینک دیا جائے اور زمین اس کو کھالے اور اس کے بعد کوئی چیز نہ ہو؟

(د) انسان کو کیوں تخلیق کیا گیا ہے؟ اسے دیگر انسانوں سے امتیاز کیوں حاصل ہوا اور عقل وارادے کی قوت کیوں عطا ہوئی؟ اس کے لئے زمین وآسمان میں موجود اشیا کو کیوں مسخر کر دیا گیا؟ کیا اس کی پیدائش کا کوئی مقصد ہے؟ کیا اس کی زندگی میں کوئی اہم مقصد ہے، یا پھر وہ صرف اس لئے پیدا ہوا کہ صرف کھائے پئے جیسے جانور کھاتے ہیں اور پھر جانوروں کی طرح ہی مرجائے؟ اگر اس کی تخلیق کا کوئی مقصد ہے تو وہ کیا ہے؟ اور اسے کیسے پہچانا جائے؟

ہم نے جو ذکر کیا وہ انسان کی دینی ضرورت کے لئے وہ چیزیں ہیں جو عقل وشعور سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن یہاں وجدان وشعور کی بھی ضرورت ہے۔ کیوں کہ انسان نہ تو صرف عقل ہے، بجلی کے آلات کی طرح، بل کہ وہ تو عقل، وجدان اور روح کا مرکب ہے۔ اسی طرح اس کی فطرت بنی ہے اور جبلت یہ بات بتاتی ہے انسانی فطرت کو کوئی علم وثقافت قناعت نہیں کر سکتی۔ اس کی بھوک کو فن وادب نہیں مٹا سکتا اور اس کی ذات کے خلا کو کوئی خوب صورتی اور مادی سامان پُر نہیں کر سکتا، وہ نفسیاتی طور پر منتشر، روحانی طور پر بھوکا، فطری طور پر پیاسا اور نقصان اور خالی پن کو محسوس کرنے والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے وجود کا عقیدہ رکھتا ہے تو بے سکونی کے بعد اطمینان پاتا ہے، اضطراب کے بعد سکون پاتا ہے، خوف کے بعد امن پاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس نے اپنی ذات کو پالیا ہے۔

۲۔ دین کی طرف دوسری ضرورت۔ وہ ضرورت جسے انسانی زندگی چاہتی ہے اور اس کے مقاصد جو زندگی میں وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

انسان کی ایسے مضبوط سہارے کی ضرورت جس کی جانب وہ اپنے زخم بھرنے کے لئے جاسکے۔ ایک مضبوط رابطے کی ضرورت جس پر وہ اعتماد کرسکے، جب اس پر سختیاں اور مصائب در آئیں، جب اس کی پسندیدہ چیز کھو جائے، یا ناپسندیدہ چیز کا سامنا ہو جائے، یا امید کردہ چیز نہ مل سکے۔ یا پھر وہی ہو جائے جس کا خوف ہو۔ اب یہاں دینی عقیدہ آتا ہے جو اسے کمزوری کے وقت طاقت دیتا ہے اور مایوسی کی گھڑی میں امید کی کرن دکھاتا ہے اور خوف کی حالت میں امید فراہم کرتا ہے اور سخت اور نازک حالات میں صبر کا دامن پکڑنا سکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے عدل ورحمت پر یقین اور اس کے پاس دارالخلود میں جانے کا عقیدہ (رکھنا) انسان کو نفسیاتی صحت اور روحانی قوت عطا کرتا ہے۔ پھر اس کے سامنے سوچ کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، اور وہ زندگی کی طرف روشن عینک سے دیکھتا ہے۔

۳۔ ایک اور ضرورت جو دین کی جانب احتیاج کے لئے ضروری ہے وہ اجتماعی ضرورت ہے۔ اصول وضوابط کی ضرورت، ایسے اصول وضوابط جو اس کے پیروکار افراد کو نیکی کے عمل کی جانب لے جائیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی پر مجبور کردیں اگرچہ ان پر کوئی نگران نہ ہو، ایسے ضوابط جو ان کے تعلقات کو مضبوط کریں اور ہر ایک پر لازم کردیں کہ وہ اپنی حد کے اندر رہ کر کام کرے، اور دوسرے کے حق میں تجاوز نہ کرے اور اپنی شہوانی نفسیات یا کسی وقتی وانفرادی نفع کی وجہ سے معاشرے کی بھلائی میں (اپنے کسی عمل سے) کمی لائے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ قوانین اور دساتیر ان ضوابط کے بنانے کے لئے کافی ہیں اس لئے کہ قوانین اسباب پیدا نہیں کرتے، ان سے چھٹکارا ممکن ہے اور ان پر حیلہ کرنا ممکن ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اخلاقی اسباب اور اصول وضوابط قائم کئے جائیں۔ جو انسانی نفس میں اندرونی طور پر کام کرسکیں نہ کہ خارجی طور پر۔ اس اندرونی محرک وسبب کی موجودگی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے ضمیر یا وجدان مادی ضرورت ہے یہ وہ قوت ہے جو اگر صحیح ہو جائے تو انسان کے سارے عمل صحیح ہو جاتے ہیں اور جب یہ خراب ہو جائے تو تمام اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔ (۱۷)

دین کا مصدر: اس موضوع پر آرا بہت زیادہ مختلف ومتنوع ہیں۔ مگر اپنے تمام اختلاف وتنوع کے باوجود بالآخر تمام کی تمام دین کے دو مصادر کی جانب لوٹتی ہیں۔

پہلا مصدر: خالق کون ومکان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے وحی۔ اس بنا پر دین اختیار کرنے کا

محرک (سبب) وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہ وہ رجحان ہے جس پر تین بڑے ادیان (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کے پیروکار قائم ہیں۔ یہودیت ونصرانیت کے پاس اس پر دلیل کے طور پر صرف ان کے ہاں معتبر اسفار ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ انہوں نے اپنے آبا واجداد سے بہ طریق وراثت حاصل کیا ہے لیکن یہ وہ وراثت ہے جو عملی تنقید کے اصولوں پر پرکھے جانے کے بعد سلامت نہیں رہتی اور اس میں شکوک وشبہات در آتے ہیں۔ دوسری جانب مسلمانوں کے پاس اس بات پر بے شمار دلائل ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انس وجن کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کے مثل کلام لے کر آئیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی حاصل کرلیں اور یہ چیلنج زمانہ قدیم وحال میں برقرار ہے اور مستقبل میں بھی رہے گا۔

۲۔ قرآن کریم کے پیش کردہ راسخ عقائد جو نقص اور ابطال قبول نہیں کرتے۔ اجتماعی قوانین، نفسیاتی قواعد اور تہذیبی بنیادیں جن تک صرف اور صرف اس کون ومکان کے اسرار سے واقف ذات ہی پہنچ سکتی ہے جو نفس کے پوشیدہ اسرار اور ماضی، حال اور مستقبل کی تاریخ سے بھی واقف ہو۔

۳۔ نبی ﷺ کی قبل از بعثت اور بعد از بعثت سچائی اور ان سے کبھی جھوٹ کا صادر نہ ہونا۔

۴۔ سابقہ کتب سماویہ کے برعکس قرآن کریم کے نزول، حفظ، تدوین اور بغیر تحریف کے تواتر کے ساتھ نقل کرنے میں کسی زمانی انقطاع کا نہ ہونا۔ (۷۲)

۵۔ قرآن کریم میں موجود کائنات، انسان اور تاریخ سے متعلقہ علمی حقائق کی موجودہ معاصر علمی میدان میں موافقت۔

۶۔ یہود ونصاریٰ میں سے اسلام لانے والے افراد کی گواہی کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے اور اس کے بارے میں انبیائے سابق نے اپنی امتوں کو خوش خبری دی تھی اور وہ اس چیز شریعت کے موافق ہے جس کی تعلیمات لے کر وہ آئے تھے، اور وہ فطرت اور انسانی نفس کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ہے۔

دوسرا مصدر: انسانی فکر، اس جانب اسے بھیجنے والی چیز اس کی فکر، ضرورت، طبیعی حالات اور ماحول ہے۔ پس بہت سے ایسے لوگ جو علمی طریقے پر ہر شے کے خضوع کا تصور رکھتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علمی طریقہ ان کی رائے میں انہیں کسی ماورائے طبیعات چیز تک نہیں پہچاتا اور جب تک علم اپنے ثبوت تک نہ پہنچے وہ ان کی نظر میں باطل اور بے فائدہ ہے۔ اس لئے انہوں نے معاشرے میں ادیان کے ظہور کی وجوہات کا مطالبہ کیا جو وحی اور ماورائے طبیعات چیزوں سے الگ ہوں۔ لیکن ان کے سامنے اس طبیعت

کے علاوہ کچھ نہ تھا جو انسان کے اندر تھی۔ اس وجہ سے یہاں سے ان کی آرا و افکار انسان کی اصل (بنیاد) کے بارے میں تقسیم ہو گئے اور پھر اس بات میں کہ دین کیسے ظاہر ہوا؟ (۷۳)

اس لئے تہذیب صحیح دین پر کھڑی ہوتی ہے جو اپنے سائے میں رہنے والوں کو ان کے انفرادی اجتماعی، دینی، سیاسی علمی فکری اور عملی اہداف کو یقینی بناتا ہے۔ اسی لئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سب سے پہلے سربراہ کولج نے اپنے ایک خطبے میں کہا تھا کہ دنیا کے ممالک دین کے اس سے زیادہ ضرورت مند ہیں جتنے وہ ابھی اس پر ہیں۔ میرے خیال میں ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے شرور اور برائیوں کے لئے کامیاب دوا اور سب سے زیادہ تاثیر رکھنے والی چیز دین ہے۔ دنیا میں کوئی بھی نظام تربیت اور نظام حکومت لازوال نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی سزا اور بدلہ ایسا نہیں جو بعد میں اپنی تاثیر برقرار رکھ سکے مگر وہ جو اصلاح اور قربانی وایثار کے راستے سے آئے۔ اور دین کی بنیاد نصیحت (خیر خواہی) ہے، پس (جب تک ہم ایمان سے محروم ہیں تب تک) روشن تہذیب کے بقا کا راستہ اختیار کرنا ممکن نہیں۔ (۷۴)

معاشروں کے قیام کے لئے ضروری دین صحیح اسلام ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ انسانی زندگی کے لئے مثبت ومضبوط پہلوؤں کے اثبات ویقین کی جڑیں اسلامی نظریے میں پیوست ہیں جس کے مطابق انسان بھلائی پر پیدا کیا گیا ہے، بہ خلاف عیسائی نظریے کے کہ ان کے ہاں انسان پہلی غلطی کا لباس پہنے پیدا ہوتا ہے۔ یا ہندو عقیدے کے مطابق کہ انسان بنیادی طور پر ناپاک ونجس ہے اور اسے تناسخ کے طویل سلسلے سے گزرنا لازمی ہے تاکہ وہ کمال حاصل کر سکے۔ قرآن کریم کا عقیدہ اس سے مختلف ہے۔ فرمانِ باری ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O (۷۵)

ہم نے انسان کو بہترین انداز پر پیدا کیا۔

یعنی پاکی کی حالت میں جو بعد میں برے سلوک کی وجہ سے ہی فاسد ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ O اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۷۶)

پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے، مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ (۷۷)

پختگی، مہارت

ابن منظور نے کہا ہے: اتقن الشئی۔ مضبوط و مستحکم بنایا۔ اتقانہ، بہ معنی کسی چیز کی مضبوطی اور استحکام۔ قرآن کریم میں ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (۷۸)

کاری گری اللہ کی جس نے درست کیا ہے ہر چیز کو۔

اور رجل تقن متقنٌ للاشیاء بمعنی حاذق، ورجل تقن. حاضر جواب آدمی، (۷۹)

اتقان پختگی اور مضبوطی کا نام ہے، چاہے وہ مادی امور میں ہو یا معنوی امور میں ہو، اور جب تک یہ موجود ہے تب تک اس سے مادی یا معنوی امور میں بے نیاز نہیں رہا جا سکتا۔ کوئی تہذیب اس کے بغیر قائم نہیں ہوتی اور کوئی صنعت اس کے بغیر نشو ونما نہیں پاتی ہے۔ صنعتی کمپنیاں اور علمی تنظیمیں اس کو بہت اہمیت دیتی ہیں۔ موجودہ زمانے میں تمام کمپنیاں اور اشیا بنانے والے ادارے اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ ان کی چیزیں پائے دار اور مضبوط ہوں اور اپنی مصنوعات پر وہ ان کی ان خوبیوں کو تحریر کرتے ہیں جن کے مطابق انہیں بنایا گیا ہے۔

اسلام (جو آخری دین و پیغام الٰہی ہے) نے بھی اس موثر علمی پہلو کو مہمل نہیں چھوڑا۔ بہت سی شرعی نصوص اس کی جانب توجہ دلانے اور ترغیب دینے کے لئے آئی ہیں جن میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ نے اپنی پیدا کردہ اشیا کو خوب صورت، مکمل اور مستحکم بنایا ہے اور انسان کو اپنے اعمال کو استحکام اور مضبوطی سے متصف کرنے پر مامور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس عمل کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (۸۰)

اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو درست کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے معنی میں فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو مضبوط و مستحکم پیدا کیا۔ اور مجاہد نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہر چیز کو مضبوط اور برابر فرمایا۔ اس معنی سے ملتے جلتے معنی قتادہ سے بھی نقل کئے گئے ہیں۔ (۸۱) ابن کثیر نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ نے جو چیز پیدا کی مضبوط و مستحکم بنائی اور اس میں اپنی حکمت ودیعت فرمائی۔ (۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل کی مضبوطی اور پائے داری کی جانب دعوت دی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کو مضبوط و پائے دار بنا دے۔ (۸۳)

معاشرتی اقدار

اس بحث میں وہ موضوع اختیار کیا گیا ہے جس سے زیادہ تر معاشرتی علوم اور عمرانیات کے ماہرین

بحث کرتے ہیں۔ ہم ایک مرتبہ پھر اس دعویٰ کو دہراتے ہیں کہ اس دین (اسلام) میں زندگی سے متعلق تمام اشیا (جو انسان زندگی کے لئے ضروری ہے) کا احاطہ کیا ہے۔ ہم نے ان میں سے نمایاں ترین اقدار کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے اگرچہ ہم ان تمام کا احاطہ نہیں کر پائیں گے۔

اعتدال پسندی

ترتیب القاموس میں آیا ہے: الوسط: ہر چیز کا وسطی (مرکزی) حصہ، ابن منظور نے کہا ہے: وسط الشیٔ چیز کا درمیان (وسط) جو اس کے دو (کناروں) یا اطراف کے مابین ہو۔ وسط بہ معنیٰ بہتر ہے، ووسط الشیٔ واُوسطہٗ، کسی چیز کا درمیانی حصہ، رجل وسط وبسط یعنی اچھا اور بہتر آدمی، (۸۴) مفردات میں ہے کہ وسط الشیٔ، کا مطلب ہے کسی چیز کے دونوں اطراف مقدار میں برابر ہونا۔

اس طرح وسط درحقیقت درمیانے پن، اور اعتدال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت دو اطراف کے درمیان میں رہنے کو کہتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی کمی بیشی ہوتی ہے اور نہ افراط وتفریط، یہ ایک ایسے مقام پر ہے جہاں اس کے بغیر اقوام وافراد کے معاملات درست طریقے سے نہیں چل سکتے۔ یہ دین حنیف بھی درمیانہ اور اعتدال پسند بن کر آیا اور اس نے میانہ روی اور اعتدال پسندی کا حکم دیا اور اس پر (اپنے پیروکاروں) کو ابھارا، اور بتایا کہ میانہ روی سے دور ہونے میں مکمل ہلاکت ہے چاہے یہ دوری تشدد کے پہلو کی جانب ہو یا پھر تفریط کے پہلو کی جانب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی صفت بھی یہی بیان کی ہے کہ یہ امت وسط ہے۔ (۸۵)

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں) کی تعریف میانہ رو اور اعتدل پسند ہونے کے اعتبار سے کی ہے اس لئے کہ وہ ایسے دین کے پیروکار ہیں جو دین وسط ہے۔ نہ تو وہ مبالغہ اور غلو کرنے والے عیسائیوں کی طرح ہیں جنہوں نے رہبانیت میں غلو کیا اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں بے سروپا باتیں کیں۔ اور نہ وہ (یہودیوں کی طرح) اہل تقصیر ہیں۔ جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تبدیل کیا، اپنے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، اپنے پروردگار پر بہتان باندھے اور اس کی ناشکری کی۔ مسلمان میانہ روی اور اعتدال والے ہیں، اسی سبب اللہ نے ان کی یہ صفت بیان کی، اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ کام میانہ روی اور اعتدال والے ہیں۔ (۸۶)

میانہ روی اور اعتدال کا سبق دینے والے اس دین کا راستہ اللہ نے بالکل سیدھا بنایا ہے جس میں کسی قسم کی ٹیڑھ نہیں ہے، جو اللہ کے بندوں کو اللہ تک پہنچاتا ہے، اور مخلوق کو ان کے بلند مقاصد تک پہنچاتا ہے۔ اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۸۷)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

اس دین کی طرف سے حکم کردہ میانہ روی اور اعتدال پسندی میں یہ بات داخل ہے کہ بندہ عبادت کے لئے مشروع کی جانے والی عبادات میں کوئی اضافہ نہ کرے، تاکہ دین میں نئی چیز کو داخل کرنے کا عمل صادر نہ ہو اور انسان کو اس کی طاقت سے بالاتر عمل کا مکلف نہ بنایا جائے۔ امام بخاری نے حمید بن ابی حمید الطویل سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

تین افراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مکانات کی جانب آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سوال کیا، جب انہیں بتادیا گیا تو انہوں نے اس پر آپس میں گفتگو شروع کی اور کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں، اللہ نے تو ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات کو نماز ادا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں سارا زمانہ روزہ رکھوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم ہی وہ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا؟ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقویٰ والا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، اور جو میری سنت سے اعراض کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۸۸)

ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں دو ستونوں کے درمیان لمبی رسی بندھی ہوئی دیکھی تو دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! حمنہ بن جحش نماز پڑھتی ہیں جب تھک جاتی ہیں تو رسی باندھ لیتی ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اپنی طاقت کے بقدر نماز پڑھیں، جب تھک جائیں تو بیٹھ جائیں۔ (۸۹)

دین اسلام کی میانہ روی میں سے ہے کہ آدمی دین و دنیا کو متوازن انداز میں اختیار کر سکتا ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دیتا ہے نہ عبادت میں حد سے آگے بڑھتا ہے کہ بندہ جان اس میں ضائع کرے

اور دوسروں پر بوجھ بن کر جئے، اور جن افراد کے حقوق اس کے ذمے واجب ہیں مثلاً بیوی، والد، والدہ، ان کو ضائع کرے، اور نہ ہی دنیا کو دین پر فوقیت دے کر صرف مال کا بندہ بن کر رہ جائے، نہ اپنے رب کو پہچانے اور نہ اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان توازن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (۹۰)

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کا گھر کمالے اور دنیا سے اپنا حصہ (وصول کرنا) نہ بھول۔

دینی و دنیاوی معاملات میں توازن کے اسی تسلسل میں ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ ۙ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۹۱)

ان گھروں میں جن کے ادب واحترام اور نام الٰہی وہاں لئے جانے کا حکم ربانی ہے وہاں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بل کہ اپنے فضل سے کچھ اور زیادتی بھی عطا فرمائے، اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں کاروبار نماز سے نہیں روکتا اور نہ ہی زکوۃ ادا کرنے سے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ (یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں) دنیا، متاع دنیا اور اس کی زیب وزینت اور اس کی خرید وفروخت اور منافع کی فکر اللہ تعالیٰ (جو ان کا رب اور رزق دینے والا ہے) کے ذکر سے غافل نہیں کرسکتی، وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے زیادہ بہتر ہے جو یہاں دنیا میں ان کے ہاتھوں میں ہے اور جو ان کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ (۹۲)

اللہ تعالیٰ نے جیسے توازن کا حکم دیا ہے اسی طرح دنیاوی زندگی میں استعمال کی جانے والی حلال چیزوں کے استعمال کرنے کی بھی اجازت دی ہے، مثلاً خوب صورت لباس اور اچھے و پاکیزہ کھانے،

بل کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ مساجد میں آئیں تو اپنے اچھے کپڑے زیب تن کر کے آئیں۔ ارشاد باری ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۝ (۹۳)

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیوں جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوش نمائی کا سامان لے کر آؤ، بعد کھاؤ پیو، اور فضول خرچی مت کرو، یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کا جائزہ لیا کرتے تھے، جب ان میں سے کسی کے عمل کو اعتدال کے خلاف پاتے تو اسے بہتر عمل کی جانب متوجہ فرماتے تھے۔ ابو احوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پراگندہ حال آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کس مال میں سے؟ انہوں نے کہا سارے (اموال) میں سے، گھوڑے، اونٹ اور غلام میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو وہ اسے تم پر دیکھنا (بھی) چاہتا ہے۔ (۹۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اس بات کی ترغیب و تسلیم بھی دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کے اثرات دیکھنا پسند کرتا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

کھاؤ، پیو اور بغیر اسراف و دکھلاوے کے صدقہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔ (۹۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا: آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہو، اس کے جوتے اچھے ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب صورت ہیں، خوب صورتی کو پسند فرماتے ہیں، تکبر سچ سے کنارہ کشی کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے سے لاحق ہوتا ہے۔ (۹۶)

اسلام (دراصل) جسم کی خواہشات (تقاضوں) اور روح کے لوازمات کے درمیان اعتدال کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں صرف روحانی دیانت نہیں ہے، جیسے مشرقی بت پرست ادیان (زرتشت، کنفیوشس ازم) میں ہے اور نہ ہی صرف مال پیداوار اور جسمانی راحتوں کے لئے فضول خرچی کا راستہ ہے، جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہے بل کہ وہ ایک معتدل طریقۂ زیست ہے۔ جو بنی نوع انسان کے تمام تقاضوں اور

خواہشات کی رعایت رکھتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے بندوں سے راضی رکھتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں خوش بختی کو یقینی بناتا ہے۔

عورت پر توجہ

اسلام میں عورت کی بہت بڑی شان ومقام ہے چاہے وہ والدہ ہو، بیوی ہو یا بیٹی ہو، بہن ہو یا عوام الناس میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کا حق اپنے حق کے ساتھ متصل کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا O (۹۷)

اور تمہارا رب حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میاں بیوی کے حقوق ایک ساتھ ذکر کئے ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (۹۸)

ان عورتوں کو معروف طریقے سے وہی حقوق حاصل ہیں جو (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کو دنیا و آخرت میں اعمال کے ثواب اور اپنی اچھی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور آخرت میں اچھے نتیجے کے لحاظ سے مساوی حقوق عطا کئے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (۹۹)

جس مومن نے مرد یا عورت نے نیک کام کیا تو ہم اسے ایک اچھی زندگی دیں گے اور بدلے میں ان کو ان کا حق دیں گے ان بہتر کاموں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے عظیم الشان اجتماع میں مسلمانوں کے جم غفیر سے خطاب فرماتے ہوئے مردوں کو عورتوں کے بارے میں وصیت فرمائی:

تم عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیوں کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات (احکام) کے تحت ان کے ستر تمہارے لئے حلال ہوئے ہیں۔ (۱۰۰)

زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ بچیوں کی پیدائش پر عار محسوس کرتے تھے اور انہیں بوجھ سمجھتے تھے، لیکن حضور ﷺ نے بچیوں کی پرورش کرنے والے والدین کے لئے ثواب عظیم کی خوش خبری سنائی اور فرمایا:

جو شخص بچیوں کی (پرورش کرتے ہوئے) کسی آزمائش سے دوچار ہوا پھر اس پر صبر کیا تو وہ بچیاں آگ اور اس کے درمیان رکاوٹ ہوں گی۔ (۱۰۱)

عورتیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی جانب (سے فیض پانے میں) مرد ہم سے آگے نکل گئے، لہٰذا ہمارے استفادے کے لئے بھی ایک دن مقرر کیا جائے۔ آپ نے ان کے لئے ایک دن مقرر فرما دیا، اس دن آپ ان سے ملاقات فرماتے، انہیں نصیحت فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بتاتے تھے۔ (۱۰۲)

آپ کی خواتین سے شفقت کے واقعات بے شمار ہیں، باوجود اس کے کہ آپ ریاستی انتظامات اور نبوت کے فرائض میں مشغول رہتے تھے، اس جانب بھی بھرپور توجہ فرمایا کرتے تھے۔

ایک حبشی عورت روزانہ مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ عرصے غائب پایا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر کے بارے میں بتاؤ۔ صحابہ کرام نے آپ کو اس کا مقام تدفین بتایا، پھر آپ نے (خود وہاں تشریف لے جا کر) اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ (۱۰۳)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ (ہر انصاف پسند انسان کی نظر میں) دین اسلام میں عورت کے لئے وہ مقام ہے جو اس سے پہلے کے ادیان اور تہذیبوں میں نہیں تھا۔ اسلام نے دنیا و آخرت میں ثواب اور اچھے اعمال و افعال کی جزا میں مرد و عورتوں میں برابری و مساوات قائم کی۔ اور عورت خواہ کسی بھی حیثیت میں ہو، اس کے حقوق کا خیال رکھا اور دیگر افراد کو ان حقوق کے ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اور خواتین کو ان کے شوہروں کی وفات اور غیر موجودگی میں بچوں کی پرورش اور خیال رکھنے پر بڑے اجر و ثواب کی خوش خبری دی جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

محبت

یہ عظیم جذبہ اور شافی مرہم دلوں کے امراض کا علاج ہے۔ جو لوگوں کے مابین تالیف کرتا ہے، ارواح کو یک جا کرتا ہے، معاشرے کے افراد کو ایسے جذبے میں رنگ دیتا ہے جس کے تحت افراد معاشرہ تنگ دلی اور عناد سے دور رہ کر ایک نسلی کی مانند رہتے ہیں اور باہم بھائیوں کی طرح معاملات کرتے ہیں۔

بل کہ خود اپنی ذات جیسا معاملہ کرتے ہیں حتیٰ کہ زندگی ایک پائے دار جنت اور کام یاب زندگی کی مانند ہو جاتی ہے۔ دین میں محبت کی مختلف اقسام ہیں۔ محبت جو خالق ومخلوق پر محیط ہے۔ خالق کی جانب سے مومن بندوں کی محبت، آدمی کی اپنے رب سے محبت۔ محبت جو محبت کے اسباب پھیلاتی ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، والد، والدہ، بیوی، اولاد اور تمام مومنین کے لئے محبت ہو جاتی ہے۔ یہی جذبہ مزید بڑھ کر اپنی زمین ووطن سے محبت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ذیل میں محبت کے مختلف مظاہر کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا مظہر۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے عبادت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہونے کے باوجود محبت فرماتے ہیں، یہ محبت انعام اور مہربانی والی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَه (۱۰۴)

(اللہ) ان سے (بندوں سے) محبت کرتا ہے اور وہ (بندے) ان سے محبت کرتا ہے۔

بل کہ وہ ان سے اور ان کے افعال سے راضی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ افعال اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O (۱۰۵)

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا، اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہے، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی بڑی زبردست کام یابی ہے۔

دوسرا مظہر۔ آدمی کی اپنے رب سے محبت: مسلمان اپنے رب سے محبت کرتا ہے اسی لئے کہ وہ محبت کا مستحق واہل ہے۔ اللہ نے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ آ مَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (۱۰۶)

اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خداوی

میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے) اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، اور کاش کہ یہ ظالم جب (دنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اسی وقت یہ سمجھ لیا کریں تکہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اس وقت بڑا سخت ہوگا۔

بندہ وہ اللہ کو اس کی تمام صفات جمال وجلال وکمال ساتھ کے محورِ محبت بناتا ہے۔ اور بندہ اللہ کو اس کی جانب سے کھلائی جانے والی نعمتوں اور کئے جانے والے احسانات کی بنا پر بھی محبت کرتا ہے۔ اللہ کی نعمتیں ناقابل شمار ہیں۔ ارشاد باری ہے:

آتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (۱۰۷)

اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے نے مانگی اور اگر اللہ کے احسان گنو تو شاید شمار نہ کرسکو۔

اللہ کے لئے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے انبیا اور رسول ہیں۔ ابن القیم کہتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی ذات اقدس اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب شخصیت فرماتی ہے کہ میں آپ کی ویسی ثنا نہیں کرسکتا جس طرح آپ خود اپنی ذات کی ثنا بیان کرسکتے ہیں۔ اور اگر آدمی کا دل اس کی صفات کمالیہ میں سے ایک صفت کو بھی دیکھ لے تو اس سے مکمل محبت کی درخواست کر بیٹھے۔ اور کیا محبت کرنے والوں کے ساتھ اس کی صفات کے کمال کے آثار کے علاوہ کچھ ہے؟ انہوں نے اسے (اللہ) کو اس دنیا میں نہیں دیکھا۔ بل کہ اس تک علم، اس کی صفات کے آثار اور قدرت وتخلیق کی نشانیوں کے ذریعے پہنچے ہیں، پھر انہوں نے اپنے سیکھے ہوئے علم سے غائب پر استدلال کیا۔ اگر وہ اس کا دیدار اور مشاہدہ کر لیتے تو ان کی محبت میں کچھ اور ہی شان ہوتی۔ اللہ کی محبت اور الفت کے معاملے میں ان کے مراتب ومنازل میں پایا گیا تفاوت دراصل ان کے مرتبۂ علم کے تفاوت اور فرق کی وجہ سے ہے۔ ان میں اللہ کے بارے میں زیادہ معرفت رکھنے والا اس سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ اسی لئے اس کے رسول و انبیا اس سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اور ان کے درمیان میں دونوں خلیل سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے تھے۔

اللہ کے عام بندے بھی (جو کمال کے اعتبار سے محبت کرتے ہیں) اسی طریقے سے محبت کرتے ہیں۔ پھر ان میں سب سے زیادہ پختہ ایمان رکھنے والا زیادہ محبت رکھنے والا ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۱۰۸)

جو ایمان لائے وہ اللہ سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔

اس لئے مومنین اللہ سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔ اسی لئے کہ وہ ہی ان کی محبوب ترین ذات ہے۔ جس نے دلوں کو اپنی محبت سے معمور کر رکھا ہے اور وہ اس کے لئے جھکتے ہیں۔ ذلت اختیار کرتے ہیں، اس سے خوف کھاتے ہیں، اور امید لگا رکھتے ہیں اور مشکلات و مصائب میں اسے پکارتے ہیں، اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے اسے ہی پکارتے ہیں، اپنے مصالح میں اس پر بھروسا کرتے ہیں۔ اس سے مانگتے ہیں اور اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے لا الہ الا اللہ سب سے سچا کلام ہے۔ اور اس کے اہل اللہ والے اور ان کی جماعت ہے۔ اور اس کا انکار کرنے والے اس کے دشمن ہیں۔ یہی وہ اہم مسئلہ ہے جس پر دین کی چکی کا مدار ہے۔ جب یہ صحیح ہوگا تو یہ مسئلہ، حالت اور ذوق صحیح ہو جائے گا اور جب بندہ اسے صحیح اور درست نہ کر پائے تو فساد لازمی ہو جاتا ہے اس کے علوم، اعمال، احوال اور اقوال میں اور اللہ کے سوا کوئی طاقت والا نہیں۔ (۱۰۹)

تیسرا مظہر، رسول کی محبت: مسلمان تمام انبیا و رسل محبت کرتا ہے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور انہوں نے انسان کے لئے سب سے بڑی ہدایت پیش کی کہ انہوں نے اسے کفر سے بچا کر ایمان کی جانب لایا۔ وہ اپنے احکامات اور اوامر

اور احکامات منہیہ کے سلسلے میں مثالی قیادت کے حامل تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے فضائل و شمائل کے بہترین اور پاکیزہ حصے کو اپنے لئے خاص کیا۔ اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ ان میں سب سے بڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انہوں نے ہی انسانیت کے لئے آخری رسالت پیش کی اور انسانی اخلاق کے کمال کی بلندی پر فائز ہوتے ہوئے وہ مقام حاصل کیا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ O (۱۱۰)

بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنا ذکر بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں: اے محمد! آپ ادب کے بڑے مرتبے پر ہیں، اور وہ قرآن کا ادب ہے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے اور وہ اسلام اور اس کی شریعت ہیں (۱۱۱) ام المومنین عائشہؓ سے جب آپ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا اخلاق قرآن ہے۔ (۱۱۲)

اس لئے اہل ایمان اپنے رب کا حکم بجالانے کے لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے

ہیں، اور آپ کی جانب سے ان کے لئے پیش کردہ ہدایت وارشاد کے صلے میں اور جس کمال سے آپ ﷺ متصف ہیں اس سے محبت کے اظہار کے لئے وہ آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں، اس لئے کہ نفوس اہل کمال سے محبت رکھتے ہیں تو جب کامل شخص ہدایت دینے والا، رسول، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا ہوتو کیا ہی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

تم میں سے کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے والد، بچے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (۱۱۳)

یہ محبت ایمان کی علامت ہے بل کہ ایمان کے کمال اور اس کی حلاوت چکھنے کی علامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین چیزیں ایسی ہیں جو کسی میں ہوں تو وہ ایمان کی مٹھاس پالیتا ہے، اللہ اور اس کا رسول اسے ہر شے سے زیادہ محبوب ہو، اور اس کی کسی فرد سے محبت اللہ کی خاطر ہو۔ اور وہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسے ناپسند کرے جیسے آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (۱۱۴)

نبی سے یہ محبت خالی محبت کا دعویٰ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی نبی کی محبت میں غلو اور زیادتی ہے کہ اس میں وہ آپ ﷺ کو آپ کے مقام سے بڑھا دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کو منع فرماتے تھے کہ وہ ان کی ایسی عزت کریں یا (محبت میں) صفات اور خصائص کے لحاظ سے ایسی چیز عطا کریں جو اللہ کے لائق ہو، وہ فرماتے تھے:

میری ایسی مبالغہ آمیز تعریف نہ کرو جیسے عیسائیوں نے ابن مریم کی کی تھی، میں (درحقیقت) اللہ کا بندہ ہوں پس تم سب مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔ (۱۱۵)

ان کی نبی سے محبت اس کے حکم کے اتباع، آپ کی خبر کی تصدیق اور منع کردہ امور سے اجتناب اور آپ کے رب کی جانب سے پہنچائے جانے والے امور کے مطابق اللہ کی عبادت کے لئے تھی، خالق کائنات کے اس قول کے امتثال کے طور پر:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ O (۱۱۶)

اے پیغمبر! (لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا

مہربان ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

چوتھا مظہر، مسلمان کی عام مومنین کے لئے محبت: اللہ کی محبت اور اس کی تعظیم کی بنا پر جو محبت مومن کے دل کو ڈھانپ لیتی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس محبت اور دین میں موافقت کرنے والے سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے مسلمان انبیا و رسل سے محبت کرتا ہے اسی نیت سے وہ سارے مومنین سے محبت کرتا ہے، اس لئے کہ وہ سب اس دین میں اس کے شریک ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے بھی کہ اس دین الٰہی میں اس نے یہ سیکھا ہے کہ جیسے اپنے آپ سے محبت کرتے ہو ویسا ہی اپنے بھائیوں سے محبت کرو۔ بل کہ ان کے لئے بھی وہ پسند کرو جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند کرو جو خود اپنی ذات کے لئے ناپسند کرتے ہو، ارشاد نبوی ہے:

تم میں سے کسی کا ایمان (مکمل) نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (۱۱۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس چیز کی طرف رہ نمائی فرمائی جو دلوں میں محبت بوتی ہے اور جنت تک پہنچاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک باہم محبت نہ کرو گے، کیا میں ایسی چیز کی طرف تمہاری رہ نمائی نہ کردوں جس کے کرنے سے تم باہم محبت کرنے لگو؟ اپنے مابین سلام کو پھیلاؤ۔ (۱۱۸)

یہ سب اس لئے کہ معاشرہ یک جان ہو کر ایک جسم کی طرح زندگی گزارے، جس میں ہر فرد دوسرے فرد کی خوشی میں خوش ہو، اور اس کے رنج و غم میں اس کا ہم درد ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

مومنین کی شان ان کے باہمی الفت و محبت اور جذبات میں ایک جسم کی سی ہے، جب جسم کا کوئی عضو شکایت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے جسم کے دیگر اعضا جاگنے اور بخار میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ (۱۱۹)

پانچواں مظہر، بیوی کی محبت: اسلام نے میاں اور بیوی کے مابین تعلق کو ایسی تعبیر سے بیان کیا ہے کہ لغات ایسی تعبیر اس معنیٰ میں لانے سے عاجز آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۱۲۰)

وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۱۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بنا دے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے، تاکہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دو روحوں میں میاں بیوی سے بڑھ کر الفت و محبت نہیں ہوتی۔ (۱۲۲)

حضرت عمرو بن عاص نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو مخلوق میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ شخص کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: عائشہ۔ (۱۲۳)

جب ہم سیرت رسول کے اوراق پلٹتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ چھوڑ کر جانے لگے تو انتہائی محبت بھرے جذبے سے ایک کریم اور مہربان محبت کرنے والے کی طرح مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اللہ کی قسم! تو اللہ کی زمین میں بہترین ہے اور میں اللہ کی زمین سے اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہوں، اور اگر مجھے تجھ سے زبردستی نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ (۱۲۴)

ایک مرتبہ مدینہ تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں جبل احد کو دیکھ کر اپنے صحابہ سے اس کے بارے میں بیان فرمایا۔ ابو حمید سے روایت ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نکلے (پھر حدیث بیان کی) پھر ہم واپس لوٹے، یہاں تک کہ وادی قری تک آ گئے تو رسو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جلدی کر رہا ہوں تم میں سے جو چاہے وہ بھی (چلنے میں) تیزی کرے اور جو چاہے وہ (یہاں) ٹھہر جائے۔ پھر ہم وہاں سے نکلے حتیٰ کہ ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو فرمایا یہ طابہ (مدینہ کا ایک نام) ہے اور یہ احد ہے وہ پہاڑ ہے ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (۱۲۵)

رحمت

الرحمۃ: ترس، مہربانی، شفقت اور مرحمۃ اس کی طرح ہے۔ رَحِمَہٗ کسرہ کے ساتھ بھی رحمت و مرحمۃ کے معنی میں ہے۔ تراحم القوم کا معنی ہے بعض نے بعض پر رحم کیا والرحم بہ معنی رشتہ۔ رحم جسم کے وزن پر بھی آتا ہے اور مترادف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱۲۶) راغب نے کہا ہے الرحمۃ کا معنی ہے ترس اور نرم دلی جو مرحوم پر احسان کا تقاضا کرتی ہے، اور کبھی یہ مجرد رقۃ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی حرف

احسان کے معنی میں۔ مثلاً رحم اللہ فلاناً اللہ فلاں پر رحم فرمائے، ترس کھائے، رحمت دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہے رقت کا بھی اور احسان کا بھی۔ (۱۲۷)

دین اسلام میں رحمت بہت عام ہے۔ اس لئے کہ رحمٰن اور رحیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسما میں سے ہیں۔ رحمت اللہ کی صفت ہے اور یہی رسالت کی بنیاد میں بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے بھی ہے بل کہ وہ تو نبی رحمت ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (۱۲۸)

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اب ہم پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کے دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہر رحمت پر نظر ڈالیں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ (۱۲۹)

اور تمہارا رب مغفرت کرنے والا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِّلّٰهِ ط كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَارَيْبَ فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَايُؤْمِنُوْنَ O (۱۳۰)

(ان سے) پوچھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے (اس لئے توبہ کرلو تو پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بہ ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ج وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (۱۳۱)

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے، اور آخرت میں بھی، ہم (اس غرض کے لئے) آپ ہی سے رجوع کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ اپنا عذاب تو میں اسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ چناں چہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ کتب کتابا قبل ان یخلق الخلق ان رحمتی سبقت غضبی فھو مکتوب عندہ فوق العرش (۱۳۲)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ایک تحریر لکھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ پس وہ اس کے نزدیک عرش پر لکھا ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بچے سے محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔ نبی کریم نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی تو اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم گمان کرتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، اور یہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے بچے کو آگ میں نہ ڈالے۔ تو نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر رحیم ہے۔

رحمت الٰہی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے جب رحمت کو پیدا کیا تو اس کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق میں بھیج دیا۔ اگر کافر جان لے کہ اللہ کے پاس کس قدر رحمت ہے تو جنت سے مایوس نہ ہو، اور اگر مومن جان لے کہ اللہ کے پاس کس قدر عذاب ہے تو آگ سے مامون نہ ہو۔ (۱۳۳)

ہمارے پیارے نبی کی رسالت ہی رحمت ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کی رحمت کے ساتھ تعریف بیان کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (۱۳۴)

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے لئے سب سے زیادہ رحم والے تھے۔ کفار قریش نے ان کو قتل کرنے کی کوششیں کی، انہیں تکالیف پہنچانے میں حد سے گزر گئے، ان کے صحابہ کرام پر زندگی تنگ کردی، یہاں تک کہ انہوں نے ہجرت کی، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے تاکہ ان پر عذاب نازل نہ ہو۔ ان کی خدمت میں ملک جبال جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حاضر ہوئے تاکہ قریش کو سزا دیں، تو آپ نے اپنا مشہور جملہ ارشاد فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں سے کسی کو پیدا کرے جو اس کی عبادت کرے۔ (۱۳۵) جب آپ نے مکہ فتح کیا اور اللہ نے بغیر جنگ کے مکہ آپ کو لوٹا دیا تو آپ نے اپنے دشمنوں سے فرمایا ''جاؤ آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں''۔ (۱۳۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بھی محبت فرماتے تھے اور انہیں چومتے تھے اور اپنی گود میں بٹھاتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کو چوما اور ان کے پاس اقرع بن حابس التمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں مگر میں نے ان میں سے کسی کو نہیں چوما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب دیکھا پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (۱۳۷) بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں لوگوں کی امامت فرما رہے ہوتے تھے اور بچی آپ کے کندھے مبارک پر ہوتی تھی۔ ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم گھر سے باہر تشریف لائے اور امامہ بنت العاص ان کے کاندھے پر تھیں۔ پھر آپ نے نماز ادا کی، جب آپ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔ (۱۳۸)

نبی کریم کی جانوروں اور پرندوں پر بھی رحمت تھی۔ عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ اس پر چڑیا کے دو بچے تھے، ہم نے انہیں اٹھالیا، پس وہ چڑیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آئی اور وہ چلا رہی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس نے اس کے بچوں کو اٹھا کر اسے تکلیف دی ہے؟ (راوی کہتا ہے) تو ہم نے کہا کہ ہم نے۔ رسول اللہ نے فرمایا: ان دونوں کو واپس لوٹا دو۔ (۱۳۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو حیوانات کے ساتھ رحم وشفقت کرنے کا حکم دیتے تھے اور اگر ان سے اس معاملے میں کوئی کمی یا کوتاہی دیکھتے تو ان کی سرزنش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری کے باغ

میں داخل ہوئے تو وہاں ایک اونٹ تھا۔ جب اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ انصار کا ایک نوجوان حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا اونٹ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس بے زبان جانور کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔ (۱۴۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانات سے شفقت کرنے اور ان کے ساتھ نیک اور اچھا سلوک کرنے کا بہت بڑا اجر و ثواب بتایا ہے۔ چاہے وہ مملوکہ جانور ہوں یا غیر مملوکہ حیوانات ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص راستے پر کہیں جا رہا تھا کہ اسے راستے میں شدید پیاس محسوس ہوئی۔ (اس نے تلاش کیا تو) اسے ایک کنواں ملا، وہ اس میں اتر گیا، اور پانی پیا، جب وہ کنویں سے نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس شخص نے سوچا کہ اس کتے کی بھی پیاس سے وہی حالت ہو رہی ہے جو (کچھ دیر قبل) میری ہو رہی تھی۔ پس وہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھرا، پھر اس موزے کو منہ سے پکڑ کر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ نیکی قبول کی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ان جانوروں میں بھی ہمارے لئے اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تر جگر والے (ہر زندہ جانور) میں اجر ہے۔ (۱۴۱)

امن و سلامتی

ابن منظور نے کہا ہے: السلام والسلامۃ بہ معنیٰ برأت وحفاظت۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے السلامۃ کا معنی عافیت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب اس طرح سلام کرتے تھے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہتا تھا: آپ کی صبح اچھی ہو اور لعنت سے دوری ہو۔ تو دوسرا جواب دیتا تھا، تم پر سلامتی ہو۔ گویا یہ مصالحت کی علامت تھی (ورنہ) درحقیقت وہاں جنگ نہ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو بھیجا تو مسلمانوں نے سلام کو مختصر کر دیا اور انہیں اسے پھیلانے کا حکم دیا۔ اللہ نے فرمایا:

جب انہیں جاہل (لاعلم) مخاطب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلامتی ہو۔ (۱۴۲)

شرعی معنی میں ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامتی طلب کرنا۔ السلام اللہ کے اسماء میں سے ہے۔ اس لفظ کی حقیقت شر اور عیوب سے برأت، خلاصی اور نجات ہے۔ (۱۴۳) اور تسلیم اللہ تعالیٰ کے نام سلام سے مشتق

ہے۔اس لئے کہ اللہ عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔

اس اعتبار سے جنت کو سلامتی کا گھر قرار دیا گیا ہے یعنی دار السلام اس لئے کہ وہ آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔(۱۴۴) ابن قیم کے قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ دعا یا خبر کے طور پر امن وسلامتی کی اجازت دینا، تو آپ جسے سلام کرتے ہیں اسے خبر دیتے ہیں کہ وہ آپ کی جانب سے سلامتی اور امن میں ہے اور اس کے لئے آفات سے امن وسلامتی میں رہنے کی دعا کرتے ہیں۔(۱۴۵)

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہر امت کا سلام اس طرح یا اس سے مشابہ ہے۔ کچھ کے بادشاہوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے خاص سلام ہوا کرتے تھے مثلاً سجدہ اور اس طرح کی دیگر حرکات۔ اور کچھ خاص الفاظ ہوتے تھے جس سے بادشاہوں کا سلام غلام کے سلام سے الگ ہو جاتا تھا۔ اس سب سے ان کا مقصود زندگی، اس کی نعمتیں اور ان کے دوام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے مابین سلام کے لئے ''السلام علیکم'' کو مشروع قرار دے دیا۔ اس سے پہلے تمام اقوام کے سلاموں میں ایسی چیزیں ہوا کرتی تھیں جو جھوٹ اور محال ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً ہزار برس جیو، اور بعض نامکمل معنی پر مشتمل ہوتی تھیں مثلاً انعم صباحاً اور کچھ اس جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتی تھیں مثلاً سجود وغیرہ۔ پس سلام کے ذریعے سلامتی بھیجنا ان سب سے بہتر تھا۔ اس لئے کہ اس کے ضمن میں سلامتی ہے جس کے بغیر زندگی اور کام یابی ممکن نہیں۔ یہی ہر چیز کی سب سے اولین بنیاد ہے۔ انسانی زندگی کا مقصود ومطلوب دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ برائی سے اس کی حفاظت، اور مکمل بھلائی کا حصول۔ برائی سے حفاظت، بھلائی کے حصول کا مقدمہ ہے، اور یہی بنیاد ہے اس لئے انسان اور حیوان سب سے پہلے اپنی حفاظت کی فکر کرتے ہیں اور پھر غنیمت کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مطلق سلامتی بھلائی کے حصول کی ضامن ہوتی ہے اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو ہلاکت، بربادی، نقصان اور کم زوری لاحق ہو جاتی ہے۔ اور بھلائی ختم ہو جانا مطلقاً سلامتی و حفاظت کو روک دیتا ہے۔ پس سلامتی ہی اس کی ہر برائی سے حفاظت اور بھلائی کے ساتھ کام یابی کی ضامن ہے۔(۱۴۶)

ان معانی پر مشتمل لفظ سے ''اسلام'' کا لفظ لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام دراصل اللہ تعالیٰ کے لئے انقیاد اور سر تسلیم خم کرنا ہے، اور شرک کے مقابلے چھٹکارا پانا ہے۔ پس مسلمانوں نے اپنے رب کے لئے سر جھکایا اور خالص اس کے ہو گئے، اس غلام کی مانند جو صرف اپنے آقا کا غلام ہوتا ہے، اس میں دیگر لوگ شریک نہیں ہوتے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ دونوں مثالیں پیش کیں اپنے پروردگار کے لئے خاص بندے اور اس کے ساتھ شرک کرنے والے کی۔(۱۴۷)

اس اعتبار سے امن ایک اہم بنیادی چیز ہے جس کا اسلام نے حکم دیا ہے اور اس بارے میں متعدد نصوص وارد ہوئی ہیں جو اس کی جانب رہ نمائی کرتی ہیں اور اس کے ثمرات و منافع بیان کرتی ہیں۔ آج کے دور میں انسان اس کی ضرورت زیادہ محسوس کرتا ہے، اس لئے کہ اس دور کو دور امن نہیں بل کہ جنگ کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کے بارے میں خبر دی تھی اور اسے ہرج کے دنوں کا نام دیا تھا۔ ارشاد نبوی ہے:

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم اٹھا نہ لیا جائے اور زلزلے زیادہ نہ ہو جائیں اور زمانہ قریب قریب نہ آجائے اور فتنے ظاہر نہ ہو جائیں اور ہرج زیادہ نہ ہو جائے اور وہ قتل ہے اور جب تک تم میں مال زیادہ نہ ہو جائے اور بہنے لگے۔ (۱۴۸)

یہ تمام پیش گوئیاں آج سچ ثابت ہو چکی ہیں۔ آج ہم ہر طرف اسلحہ ساز فیکٹریوں کی بھرمار اور نت نئے ہتھیاروں کے ڈھیر دیکھ رہے ہیں اور طبل جنگ کی آوازیں سن رہے ہیں۔ جب کہ امن، بھلائی اور سلامتی کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی ہیں۔ مساجد، مدارس اور کارخانوں میں لوگوں کا ہجوم ہونے کے بہ جائے سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کانوں میں بچوں کی نظموں، نغموں اور ماؤں کی لوری کی آوازوں کے بہ جائے بچوں کی چیخوں اور خواتین کی مدد بھری التجائیں سننے میں آرہی ہیں۔ پھولوں کی خوش بو سے زیادہ فضا میں بارود کی بو پھیلی ہوئی ہے۔

ان حالات میں سلامتی اور امن کی انتہائی اہمیت ہو جاتی ہے اور اقوام عالم اور عالمی معاشروں کے لئے اس کے از حد ضروری ہونے کی وجہ بھی واضح ہو جاتی ہے، بل کہ حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھی تہذیب و تمدن امن و سلامتی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اہل مکہ کو امن اور رزق کی نعمت کے بارے میں یاد دلایا اور فرمایا:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ O اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ O فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ O الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ O (۱۴۹)

اس واسطے کہ رکھا مانوس قریش کو، ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس رکھا، تو چاہئے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں، جس نے انہیں کھانا کھلایا اور بھوک میں اور ڈر میں امن دیا۔

اسی وجہ سے اس آخری دین میں امن کی بہت تاکید آئی ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

الف۔ سلام اللہ کے اسما میں سے ہے، کیوں کہ وہ ہر قسم کے عیب اور نقصان سے پاک ہے اور ہر

اعتبار سے محفوظ ہے۔ انسانی وہم وتخیل میں جو بھی عیوب ونقائص آسکتے ہیں ان سب سے محفوظ ہے۔ اپنی صفات میں بھی کسی نقص اور عیب سے بری ہے، اور اپنے افعال میں بھی ہر عیب، نقص، شر، ظلم اور خلاف حکمت واقع ہونے والے فعل سے محفوظ ہے۔ بل کہ وہ ہر وجہ اور ہر اعتبار سے حقیقی طور پر سلام ہے۔ (۱۵۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے اسما کے بارے میں اپنے بندوں کو بتاتے ہوئے فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ (۱۵۱)

اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن دینے والا، نگہبان، زبردست اور عظمت والا ہے، اللہ اُن کے شرک سے پاک ہے۔

یہ بھی بیان فرمایا کہ جو لوگ اسلام لائے اور امن وسلامتی سے رہے اور دوسرے بھی ان سے محفوظ رہے تو ان کا مستقبل کا ٹھکانہ سلامتی کا گھر (جنت) ہوگا۔ یہ فعل (سلام) اور اس کے ثمرے (دار السلام) کے درمیان ایک عجیب تناسب ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (۱۵۲)

ان کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں ان کی وجہ سے وہ خود ان کا رکھوالا ہے۔

ب۔ اللہ نے اپنے بندوں کو خوش خبری دی ہے کہ اپنے رب سے ملاقات کے وقت وہاں کا سلام ''سلام'' ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ○ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ○ (۱۵۳)

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے اجالے کی طرف اور وہ ایمان والوں پر مہربان ہے۔ جس دن اس سے ملیں گے، اس دن ان کی دعا سلام ہے اور ان کے لئے عزت کا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ظاہری مراد یہ ہے کہ جس دن ان کی اللہ سے ملاقات ہوگی، اس دن ان پر اللہ کی جانب سے سلام بھیجا جائے گا، جیسے کہ قول باری ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (۱۵۴)

سلام اس رب رحیم کی طرف سے۔ (۱۵۵)

ایسے خوف اور دہشت والے دن جب اللہ تعالیٰ تمام متقدین ومتاخرین کو جمع فرمائیں گے اور ہر انسان جانتا ہوگا کہ اس کے گناہوں کا احتساب کیا جائے گا تب ایمان والوں پر رحیم رب کی جانب سے امن اور سلامتی اترے گی۔ پس کیا اس سے بڑی خوش خبری کوئی اور ہے؟ اور کیا اس سے اطمینان بخش اور دل کو سکون پہنچانے والی کوئی اور بات ہے۔

ج۔ یہ ختم نبوت کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ عبداللہ بن سلام (جو اسلام لانے سے قبل کبار علما یہود میں سے تھے) روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، میں بھی ان میں شامل تھا۔ جب ان کے چہرے پر میری نگاہ پڑی تو میں نے جان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز سب سے پہلے سنی وہ یہ تھی کہ سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (۱۵۶)

د۔ دین اسلام میں اسے اہم بنیاد اور بہترین شعبہ ہونے کا مقام حاصل ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے تو آپ نے جواب دیا کہ کھانا کھلانا اور سلامتی بھیجنا اپنے جاننے والوں اور اجنبیوں پر۔ (۱۵۷)

دیکھئے کہ کس طرح اللہ کے نبی نے شہروں اور ابدان کے دوستونوں کھانا کھلانے اور سلام کرنے کو ملایا جیسا کہ اللہ نے سورۂ قریش میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں ایک باب باندھا ہے: باب ای الاسلام افضل باب دربارہ کون سا اسلام افضل ہے؟ اور اس باب میں حدیث درج کی ہے کہ صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام افضل (عمدہ) ہے؟ آپ نے فرمایا: (اس آدمی کا اسلام) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (۱۵۸)

حضرت عمارؓ نے فرمایا: تین باتیں جس میں اکٹھی ہو جائیں اس نے (گویا پورے) ایمان کو جمع کرلیا۔ ۱۔ اپنے نفس سے انصاف، ۲۔ سب لوگوں کو سلام کرنا، ۳۔ تنگ دستی میں (اپنی ضرورت کے باوجود راہِ خدا میں) خرچ کرنا۔ (۱۵۹)

یہ حضرت عمار کی فقہ کے عجائبات میں سے ہے کہ انہوں نے ان تین بنیادی اجزا کے جمع کرنے والے کے بارے میں کہا کہ گویا اس نے ایمان جمع کرلیا۔ جب وہ اپنے آپ سے انصاف کرے گا تو ہر حق دار کو اس کا حق دے گا اور جب دنیا والوں کے لئے امن وسلامتی والے کام کرے گا تو مخلوق اس سے محفوظ ہو جائے گی۔ پھر ایک مثبت کام کی تعریف کی جس کی خلق خدا محتاج ہے اور وہ یہ کہ ہر مال دار اور خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

ہ۔ یہ معاشرے کے اجتماع اور اس کے افراد کی باہمی محبت کی علامت ہے۔ اسلام ایسا دین نہیں کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ انسان عیسائیت کی مانند صرف مسجد میں اللہ کی عبادت کرے اور دیگر معمولات زندگی میں اسے بھلا دے جو اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ گرجا گھر میں اتوار کے دن عبادت کرو تاکہ ہفتے کے بقیہ ایام میں زمین میں فساد پھیلا سکو۔ عبدالاحد داؤد (سابق عیسائی پادری) اسلام لانے کے بعد کہتے ہیں کہ عیسائی جب گرجا گھر سے خدا کے رات کے مقدس کھانے (جسے وہ قربان مقدس کہتے ہیں) میں شرکت کے لئے نکلتا ہے تو متعصب اور علیحدگی پسند ہو جاتا ہے اس حد تک کہ وہ کتے سے ملاقات کرنے کو مسلمان اور یہودی سے ملنے پر ترجیح دیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں (مسلمان اور یہودی) تثلیث اور خدائی کھانے پر یقین نہیں رکھتے۔ میں ایسے علما کو جانتا ہوں اور میرے بھی ایسے ہی جذبات ہوا کرتے تھے جب میں ایک کیتھولک پادری ہوا کرتا تھا۔ (۱۶۰)

مگر دین اسلام ہر زمان ومکان میں اللہ تعالیٰ کے لئے مکمل عبودیت و بندگی کو یقینی بناتا ہے۔

ابن عربی نے کہا ہے: افشاءِ سلام کے فوائد میں سے ایک فائدہ سلام کرنے والوں کے مابین محبت کا حصول ہے۔ (۱۶۱)

و۔ اس کی عدم موجودگی کبھی کبھی شک وشبہ، گمان اور الزام کو لازم کر دیتی ہے، جب اسلام سلامتی کا عنوان ہے، مصلحت کا اعلان ہے، اور برأت کی طلب ہے تو اس کا نہ ہونا کبھی کبھی شکوک وشبہات اور تنگی کو لازم ہو جاتا ہے، اس لئے اسلام نے قطع تعلق اور جدائی اختیار کرنے کو حرام قرار دیا ہے، سوائے تین دنوں کے جن کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا ہے اور یہ بتایا کہ بہترین شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے، اس لئے کہ وہ قطع تعلق ختم کرنے اور مصالحت کا عنوان ہے۔ (۱۶۲)

اخلاق

تعریف: اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ جوہری نے کہا ہے کہ الخلق: عادت، طبیعت، مزاج۔ کہا جاتا ہے فلان یتخلق بغیر خلقہ یعنی اپنی عادت ومزاج کے خلاف سلوک کرنا۔ (۱۶۳)

زبیری نے کہا ہے الخُلُق۔ عادت وطبیعت، جس طبیعت پر پیدا کیا جائے۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے: الخلق۔ المروۃ، اور خلق بہ معنی دین بھی ہے جس طرح ارشاد باری ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۱۶۴) اس کی جمع اخلاق ہے۔ حدیث میں ہے لیس شئی فی المیزان اثقل من حسن الخلق ''میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں''۔ (۱۶۵)

اخلاق انسان کی باطنی صورت ہوتے ہیں جو ظاہری شکل وصورت کو حسن یا بدنمائی عطا کرتے ہیں۔

اخلاق کی اسی اہمیت کی بنا پر شریعت اسلام میں بھی اسے خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اچھے اخلاق کے اصول بیان کئے ہیں گئے اور برے اخلاق کے اصول بھی بیان کئے گئے ہیں، اور دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ اس باب میں بھی نصوص بہ کثرت وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم مختصراً ہی کچھ اشارے بیان کریں گے۔

اخلاق اسلام میں بنیاد اور عقیدے کی حیثیت رکھتے ہیں جو تبدیلی وتغیر سے محفوظ ہیں چاہے مخاطب دوست ہو یا دشمن، قریبی ہو یا دور کا، چاہے مسلمان فاتح ہو یا شکست خوردہ۔ بہت سی اقوام کے اخلاق ان کی مصلحتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص یا ملک کا فائدہ سچ بولنے میں ہے تو وہ سچ بولتا ہے، اور اگر جھوٹ بولنے میں ان کا مالی فائدہ یا کوئی دوسرا فائدہ ہو تو پھر جھوٹ ہی ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔ عالمی سیاست سب کی سب غیر اخلاقی سیاست ہے، بل کہ مصالح و مفاد کی سیاست ہے۔ بنیادی اور اخلاقی سیاست نہیں۔ جب کہ آخری نبوت کی واضح ترین بنیاد اور قدر اخلاقی پہلو تھا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (۱۶۶)

یہ بنیاد فقط اسلام کا شعار ہی نہیں تھی، بل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے لوگوں کو اس کی جانب دعوت بھی دی تھی۔ حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے قبل جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سنا تو اپنے بھائی سے کہا: میں اس وادی تک جانا چاہتا ہوں تا کہ ان کی باتیں سن سکوں۔ جب وہاں جا کر واپس لوٹے تو کہا: میں نے انہیں دیکھا ہے وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ (۱۶۷) وہ مکارم جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ ہیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O (۱۶۸)

(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو، اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو، یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O (۱۶۹)

جو لوگ خوش حالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہے، اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

ذیل میں نبی کریم کے فرمان میں موجود اجتماعی اور اخلاقی پہلو کے بارے میں ذرا غور کیجئے:

آپس میں حسد نہ کرو، نہ کاروبار میں مبالغہ وفریب سے کام لو۔ آپس میں بغض مت رکھو اور تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے، اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اس کو ذلیل نہیں کرتا اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ تقوی یہاں ہے اور اپنے سینے کی جانب تین مرتبہ اشارہ کیا آدمی کی برائی کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ (۱۷۰)

یہ اخلاق جن کی جانب نبی کریم ﷺ نے بلایا وہ خود اس پر سب سے پہلے عمل کرنے والے اور دوسروں کے لئے اسے عمل کے ساتھ پیش کرنے والے تھے۔ اسی لئے آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کے خلق کو قرآن سے تشبیہ دی اور قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ آپ اخلاق کے بلند ترین درجے پر ہیں۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ قرآن کریم کے حکم پر عمل کرتے تھے، اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاتے تھے۔ اس (میں وارد) وعیدوں سے خوف کھاتے تھے۔ اس کی خبروں کی تصدیق فرماتے تھے۔ خود بھی اس کے احکامات پر سر تسلیم خم کرتے تھے، اور اپنے پیروکاروں سے بھی پابندی کرواتے تھے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ان تمام مبادی کی تطبیقی صورت تھی جن کی طرف آپ دعوت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدگو نہ تھے اور فرماتے تھے کہ تم میں سب سے بہترین وہ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (۱۷۱)

آپ کا اختیار کردہ اخلاق صرف آپ کے مقربین اور قریبی لوگوں، پیروکاروں یا صرف اپنے ہم وطن لوگوں کے لئے مخصوص اور ان ہی تک محدود نہ تھا بل کہ آپ کے اخلاق تو تمام افراد انسانی کے لئے چاہے وہ نیک ہوں یا گناہ گار، مومن ہوں یا کافر، قرابت دار ہوں یا اجنبی، یک ساں تھے۔ اسی لئے جب آپ ﷺ حضرت معاذ کو یمن کی جانب روانہ کیا تو انہیں یہ وصیت کی:

ہر حال میں اللہ سے ڈرو، گناہ کے بعد اسے مٹانے والی نیکی ضرور کرو اور لوگوں کے ساتھ

حسن اخلاق سے پیش آؤ۔(۱۷۲)

یہ وصیت انسان کے لئے زندگی گزارنے کے بہتر طریقے کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ارشاد باری ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۱۷۳)

اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔

یہ ارشاد باری بھی اخلاقیات کے باب حسن خلق کو مدنظر رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔

حسن خلق کو جاننے کے لئے ہمارے سامنے فرمانِ نبی موجود ہے: آپ نے فرمایا:

البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك و كرهت ان يطلع عليه الناس (۱۷۴)

نیکی اچھے اخلاق ہیں، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں خلش پیدا کردے اور تم لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نیکی کی حسن خلق کے ساتھ تفسیر کی۔سدی فرماتے ہیں:

نیکی (بر) دراصل ساری بھلائی کے لئے ایک جامع نام ہے۔(۱۷۵) پس جو مکمل بھلائی کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ وہ (تمام لوگوں کے ساتھ) حسن خلق اختیار کرے۔

چوں کہ لوگوں کے ساتھ ہر آدمی اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنے کی طاقت اور اہلیت نہیں رکھتا اس لئے اللہ نے اس پر بڑا اجر وثواب رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکمل ایمان والا شخص ان میں بہترین اخلاق رکھنے والا ہے۔(۱۷۶)

اچھے اخلاق کے میزان میں زیادہ وزن رکھنے کے بارے میں فرمان نبوی ہے:

میزان میں حسن خلق سے بھاری کوئی چیز وزن کے لئے نہیں رکھی جائے گی، اور اچھے اخلاق (رکھنے) والا آدمی ان کے ذریعے نمازی اور روزہ دار بندے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔(۱۷۷)

ایک اور حدیث میں اچھے اخلاق والوں کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

کیا میں تمہیں اپنے نزدیک سب سے پسندیدہ اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے قریب رہنے والے شخص کے بارے میں خبر نہ دوں؟ (حضور ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا) صحابہ نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا۔(۱۷۸)

مقالے کی ضخامت کی وجہ سے مزید احادیث شامل کرنا ممکن نہیں، اسی پر اکتفا کرتے ہیں لیکن اگر قاری مذکور شدہ نصوص پر غور کرے تو اسے علم ہوتا ہے کہ ان میں درج ذیل اخلاق حمیدہ پر ارتکاز کیا گیا ہے، حیا، شفقت، سچائی، بہادری، پاک دامنی، انصاف، تحمل و بردباری، جب کہ درج ذیل برے اخلاق کی بھی نشان دہی کی گئی ہے: جھوٹ، کنجوسی، حسد، تکبر، منافقت، ملاوٹ، چغل خوری اور غیبت۔

صفائی

قاموس میں کہا گیا ہے النظافۃ صفائی۔ باب کرم سے ہے، ابن منظور نے کہا ہے النظافۃ، صفائی، یہ تنظیف کا مصدر ہے۔ اس سے فعل لازم نظف ہے، نظفہ، ینظفہ، بہ معنی اس کو صاف کیا۔ (۱۷۹)

دین اسلام میں صفائی کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اہمیت کا حامل بتایا گیا ہے، یہ صفائی دل اور جسم دنوں کی ہے۔ قول و عمل میں صفائی، کھانے، پینے، پہننے اور اوڑھنے میں صفائی، محلے اور شاہ راہ کی صفائی۔ حسی اور معنوی صفائی اور سب سے بڑھ کر شرک کی صفائی جواز حد ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَأَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ O وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ O (۱۸۰)

اے لحاف میں لپٹنے والے، کھڑا ہو اور ڈرا (لوگوں کو) اور اپنے رب کی برائی بیان کر، اور اپنے کپڑے پاک رکھ، اور گندگی سے دور رہ۔

ان آیات میں جو اولین وحی میں نازل ہوئیں، اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنے کپڑوں کو ناپاک چیزوں سے پاک کرو، اپنے دل کو شرک سے پاک کرو، ہر اس چیز اور سبب کو جو شرک کی طرف لے جائے چھوڑ دو، اور اپنے عمل کو خالص اللہ کے لئے انجام دو۔

شرک سے صفائی اور پاکیزگی ہی مسلمان کے لئے کافی نہیں بل کہ اس پر واجب ہے کہ وہ تمام گناہوں سے پاکی حاصل کرے، اس لئے شریعت نے پانچ نمازیں اور ہر نماز کے وقت وضو کو مشروع کیا تا کہ گناہوں سے روزانہ کی طہارت یقینی ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب مسلمان مومن بندہ وضو کرتا ہے، (اور) اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ جو اس نے نظر سے کئے ہوں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کا کیا گیا ہر گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتا ہے، اور جب دونوں قدم دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ جس کی جانب قدم گئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل

جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔(۱۸۱)

وضو کو نماز کے لئے مشروع کیا گیا ہے، یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ اس سے پہلے استنجا کرنا ہوتا ہے، اس لئے اللہ نے اس میں مبالغہ کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O (۱۸۲)

وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

پیشاب سے صفائی حاصل کرنے میں سستی کرنے اور اس کے ہول ناک عذاب بھی ڈرایا گیا ہے کیوں کہ قبر کا زیادہ تر عذاب اسی وجہ سے ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز (گناہ) پر نہیں ہو رہا، ان میں ایک کو پیشاب (کے قطروں اور چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔(۱۸۳)

شرع میں ہفتہ وار صفائی کے لئے نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کے لئے غسل، خوش بو اور تیل لگانے کو لازم قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس نے جمعے کے دن غسل کیا اور بہ قدر استطاعت طہارت حاصل کی، پھر تیل لگایا یا خوش بو لگائی، پھر مسجد کی جانب چلا اور ان دو کے بیچ زیادہ فرق نہیں کیا۔ پھر فرض کردہ نماز ادا کی پھر جب امام (خطبے کے لئے) نکلا تو خاموش ہو تو اس کے اس جمعے اور دوسرے جمعے کے درمیان کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔(۱۸۴)

اس طرح رمضان کے روزے سالانہ صفائی کے لئے فرض کئے گئے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

جو شب قدر کو ایمان و احتساب کی حالت میں عبادت کے لئے کھڑا ہوا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان کے روزے ایمان و احتساب کی حالت میں رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔(۱۸۵)

مسلمان کی زندگی میں اسی صفائی کی تکمیل کے لئے اسلام نے زندگی میں ایک مرتبہ حج و عمرہ بھی مشروع کیا ہے، تاکہ وہ گناہوں سے مکمل صفائی حاصل کر سکے۔ اور جب وہ عمرے یا حج کو احسن طریقے پر

ادا کر کے لوٹتا ہے تو اس طرح ہوتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج جنا ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

ایک عمرہ دوسرے عمرے تک (درمیان کے) عرصے کے لئے کفارہ ہے۔ اور حج مبرور کی جزا جنت ہے۔ (۱۸۶)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

جس نے اللہ کے لئے حج کیا، اس میں کوئی گناہ نہ کیا اور فسق کا کوئی عمل بھی نہ کیا تو وہ ایسے لوٹا جیسے اپنی پیدائش کے دن تھا۔ (۱۸۷)

شارع نے جہاں ان عبادات کو گناہوں سے باطن کی صفائی اور طہارت کے لئے شروع کیا ہے وہاں ایسی عبادات بھی مقرر فرمائیں جن کا تعلق جسم کی بیرونی صفائی سے ہے۔ تاکہ اندرونی و باطنی صفائی سے موافقت حاصل کی جاسکے۔ اس میں درج ذیل عبادات شامل ہیں۔ ہر نماز کے لئے وضو، حدث اکبر کی وجہ سے غسل کا واجب ہونا۔ جمعہ کے دن کا غسل، اسی طریقے سے ناخن کاٹنا اور اس کے مشابہہ سنن فطرت سے متعلق افعال، اسی لئے نبی کریم نے فرمایا:

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں (یا پانچ چیزیں فطرت ہیں): ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، بغل کے بال صاف کرنا، ناخن کاٹنا اور مونچھوں کو چھوٹا کرنا۔ (۱۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے الفاظ گفتگو، اعمال اور کھانے کی جگہوں کو صاف رکھنے کی تائید کی۔ ارشاد نبی ہے:

اپنے منہ کو مسواک سے خوش بودار کرو، بے شک وہ قرآن کا راستہ ہے۔ (۱۸۹)

ابن جزری نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ اپنے منہ کو لغو اور فحش گفتگو، غیبت، چغل خوری، جھوٹ اور جیسی چیزوں سے محفوظ رکھو، نیز اسے حرام اور گندی چیزیں کھانے سے بھی محفوظ رکھو۔ اور نجاسات سے منہ کو پاک رکھنے کی ترغیب دی۔ (۱۹۰)

ان تمام سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی کو ہر سطح اور ہر پہلو سے اختیار کرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ اس کی عام طور پر محافظت کا بھی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے محلوں کی صفائی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

بے شک اللہ پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ صاف ستھرا ہے، صفائی کو پسند فرماتا ہے۔ کریم ہے، کرم کرنے کو پسند فرماتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ پس اپنے گھر کے صحن کو صاف رکھو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ (۱۹۱)

ان تمام احادیث و نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں نظافت کا کس قدر خیال ہے اور اس کی کیا

اہمیت اور مقام ہے۔

انتظامی اقدار

سطور بالا میں ہم نے علمی و معاشرتی پہلوؤں پر گفتگو کی، یہاں پر ہم ایسے موضوع پر بات کریں گے جس کی اہمیت سے کسی قوم کو انکار نہیں اور نہ ہی کبھی تہذیب وتمدن اس کے بغیر پروان چڑھ سکتا ہے۔ یہ اہم ترین موضوع انتظامی اقدار کا ہے۔ دین اسلام نے اسے نظر انداز نہیں کیا، بل کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس پر پوری توجہ دی۔ اس کے باقاعدہ قواعد وضوابط وضع کئے۔ ذیل میں ہم اس کے چھ اہم پہلوؤں کا ذکر کریں گے۔

عقائد، احکام، قواعد وضوابط اور ان کی وسعت

اسلام کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مذہب اسلام تمام شعبہ ہائے زندگی کا بہ خوبی احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی خالق ومخلوق، دنیا وآخرت، دین ودنیا، سفر وحضر، انسان حیوان، کائنات اور نباتات تک ہر چیز سے بھرپور طریقے سے بحث کرتا ہے۔ اس ضمن میں قواعد وضوابط، مختلف احکام اور ان کے اہداف واغراض کی تشریح بھی کی جاتی ہے۔ اس کی بہ دولت قوانین اور احکامات جن کی سیاسی اور عدالتی سے نظام سے منسلک شخص ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اسلام نہ صرف اس کا مطلوبہ ہدف فراہم کرتا ہے بل کہ تمام مسلمانوں کی اس سطح پر رہ نمائی کرتا ہے تاکہ انہیں اس مسئلے میں دنیا میں کسی دوسری رائے کا انتظار نہ کرنا پڑے اور نہ ہی کسی معاملے کی پے چیدگی میں دنیا کی حاجت محسوس ہو حتی کہ زمانے کی تبدیلی سے رونما ہونے والی کسی اچانک صورت حال سے نبرد آزما نہ ہونا پڑے بل کہ ہر پیش آمدہ مسئلے میں س کے عام اصول وقواعد سے واقف ہوں۔ ارشاد باری ہے:

مَافَرَّ طْنَا فِیْ الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (۱۹۲)

ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّ مُوْا وَاٰثَارَھُمْ ط وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍO (۱۹۳)

ہم ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو آگے بھیجا جاچکا ہے اسے لکھتے ہیں اور جو نشان ان کے پیچھے رہے اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی ہوئی اصل میں۔

تیسری جگہ ارشاد ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ (۱۹۴)

اور سب چیز ہم نے کھول کر بیان کی۔

حلال وحرام دونوں واضح ہیں، اسلامی عقائد میں کسی بھی قسم کا ابہام نہیں ہے، قوانین بھی کسی شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ اس کے اخلاقی دائرہ کار میں بھی بہت وسعت ہے۔ معاشرتی امن وامان کی خاطر مقررہ اہداف بڑی باریکی سے مقرر کئے گئے ہیں اور شاندار عملی نمونے بھی چھوڑے گئے ہیں۔ اسلام کی اس ہمہ گیریت کی بنا پر زمانہ رسالت میں مشرکین صحابہ کو کہنے لگے کہ تمہارا ساتھی تمہیں ہر شے سکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہیں بول وبراز جیسی اشیاء کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ تو صحابہ نے جواب دیا۔ کیوں نہیں۔ وہ ہمیں دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے اور بیت اللہ کی جانب منہ کرکے پیشاب کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں خشک گوبر اور ہڈیوں کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے اور تین پتھروں سے کم سے استنجا نہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (۱۹۵)

حضرت ابوذرؓ اس وسعت فکری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس حالت میں چھوڑ کر گئے کہ اگر اب کوئی پرندہ بھی فضا میں پھڑ پھڑاتا ہے تو ہمیں اس کیفیت کے بارے میں بھی کوئی علمی نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ مزید فرمایا! آپ ﷺ نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو جنت سے قریب کرتی ہو اور جہنم سے دور کرتی ہو مگر آپ نے بیان نہ کی ہو۔ (۱۹۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> بلاشبہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان کے درمیان بہت سی مشتبہ چیزیں ہیں لیکن عام لوگوں کی بڑی تعداد ان کو نہیں جانتی سو جو ان مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا اور جو مشتبہات میں مبتلا ہوگیا تو وہ عین حرام میں واقع ہوگیا۔ جیسے کوئی چرواہا چراگاہ کے اردگرد ریوڑ چرا رہا ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ ریوڑ چراگاہ میں داخل ہوجائے۔ خوب آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیا ہیں۔ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام جسم ٹھیک ہوجاتا ہے۔ اگر وہ خراب ہوجائے تو تمام جسم متاثر ہوجائے گا۔ خوب سن لو وہ دل ہے۔ (۱۹۷)

اللہ تعالیٰ بندوں پر حرام کردہ اشیا کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ O وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O (۱۹۸)

(ان سے کہو) کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کون سی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ بھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے۔ تاکہ تمہیں کچھ سمجھائے۔ اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ اس وقت تک اس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول پورا کیا کرو۔ (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ لوگو! یہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور اے پیغمبر! ان سے یہ بھی کہو کہ یہ میرا سیدھا سادھا راستہ ہے۔ لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔ لوگو! یہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

اللہ تعالیٰ سورت اسراء میں ان قواعد اور احکام کے اصولوں کی وضاحت فرماتے ہیں جنہیں لے کر تمام انبیا علیہم السلام تشریف لائے: ارشاد باری ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا O

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ (۱۹۹)

اور تیرا رب حکم کر چکا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے (کی عمر کو) پہنچ جائیں تو ان کو اف نہ کہو اور ان کو نہ جھڑکو اور ان سے نرم اور باادب طریقے سے گفتگو کرو۔ اور ان کے آگے اپنے کندھے عاجزی اور نیازمندی سے جھکا دو اور کہو اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔ اور اہل قرابت اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور (مال کو) فضول نہ اڑانا۔ بلاشبہ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تجھے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہو ان سے پہلوتہی کرنا پڑے تو ان سے نرم بات کہنا۔ اور تو اپنے ہاتھ کو گردن میں نہ باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے۔

ان اقدار کا مطالعہ کرنے والے پر اس طریقہ کار کی پختگی، وسعت اور گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے اصول وقواعد اور مبادیات جن کی کسی ملکی دستور کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس دین میں مکمل طور پر موجود ہیں۔ اسی وجہ سے اسلامی مملکت کو روز اول ہی سے اخلاقی پابندیوں کے حوالے سے اپنے فرائض اور ذمے داریوں کے متعلق کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا نہ ہی دستوری دفعات کی تدوین میں کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے، بل کہ اس کے پاس قائدانہ صلاحیتوں پر مشتمل ضابطہ اخلاق موجود ہوتا ہے جو کسی بھی قسم کی نقالی اور محکومیت سے پاک ہوتا ہے جس سے عام طور پر دیگر اقوام کے دساتیر دوچار ہوتے ہیں اسی بنا پر بار بار اس میں کمی بیشی کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

حقوق کی کفالت

آج ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں اس میں حقوق پسندانہ مزاج نے غلبہ پایا ہوا ہے، ہر جانب انسانی حقوق، ماحولیاتی و معاشرتی حقوق یا حیوانی حقوق کا تذکرہ سننے میں آتا ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے میں ان حقوق کی پاس داری انتہائی کم پیمانے پر کی جاتی ہے، اسی لئے ان کے مطالبے روز بہ روز بڑھتے جارہے ہیں اور اب تو ایسے معاہدات بھی منظور کرلئے گئے ہیں جو ان حقوق کی حفاظت کرتے ہیں، اور ان کی مخالفت کرنے والے ممالک کو مجرم گردانا جانے لگا ہے۔ اس دور میں ان حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی کی ایک بڑی وجہ انسان کا شریعت الٰہیہ سے دور ہونا ہے جو ان تمام حقوق کی کفیل ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ شخصی، خونی اور وطنی مصالح ان حقوق کی پاس داری اور حفاظت پر غالب آگئے ہیں۔

شرائع الٰہی سے واقف انسان جانتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام مبعوث ہونے والے انبیا و رسل کی رسالت و نبوت کا مقصد حقوق کی حفاظت اور مظالم کو دور کرنا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو (حقوق کی حفاظت و کفالت) کی بہت تاکید کی ہے۔ انہوں نے حقوق بتائے اور ان کو پورا کرنے کی بڑی شان بیان کی اور ان کی ادائیگی میں تقصیر کرنے والے کو ڈرایا۔ (اس سلسلے میں) عمومی و خصوصی بہت سے دلائل آئے ہیں، عمومی دلائل حقوق کو مکمل ادا کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور خصوصی دلائل ہر صاحب حق کا حق بیان کرتے ہیں اور اسے ادا کرنے کی تاکید کرتے ہیں، نیز اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی کا انجام بھی بیان کرتے ہیں۔ شرائع الٰہیہ جن حقوق کی تعلیم و تاکید کرتی ہیں ان میں سب سے بڑا حق اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ہے، پھر مخلوقات کے ایک دوسرے پر حقوق چاہے یہ مخلوق مرد ہو یا عورت، (کوئی) بڑا ہو یا چھوٹا یا بچہ، عقل مند ہو، بے وقوف ہو یا مجنون، دشمن ہو یا دوست، مسافر ہو یا مقیم، آنے والا ہو یا جانے والا، حیوان ہو یا چرند پرند ہو یا ماحول ہو، ان تمام کے حقوق کی کفالت اس طریقے سے کی جاتی ہے کہ آج کل کے معاصر ممالک کے معاہدات و قوانین اس کی برابری نہیں کرسکتے۔ ہم ان تمام حقوق پر دلالت کرنے والے بعض دلائل بیان کریں گے۔ طوالت مقالہ کی وجہ سے ہم تمام کا احاطہ نہیں کرپائیں گے لیکن استشہاد اور حجت کے لئے یہ بھی کافی ہے۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کا حق: اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے۔ اس کو یاد رکھا جائے، بھلایا نہ جائے، اس کی عبادت کی جائے تاکہ اس کا انکار نہ کیا جاسکے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذ کو فرمایا:

اے معاذ! (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا: میں حاضر ہوں، پھر اسی طرح تین مرتبہ فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: نہیں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر کچھ وقت چلے تو فرمایا اے معاذ میں نے کہا حاضر ہوں میں۔ (آپ نے) فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ اگر وہ اس طرح عمل کرلیں تو بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ کہ وہ ان کو عذاب نہ دے۔ (۲۰۰)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح طور پر فرمادیا ہے کہ میں نے مخلوق کو اسی مقصد (عبادت) کے لئے پیدا کیا ہے: ارشاد ربانی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِO (۲۰۱)

میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اللہ کی عبادت صرف اس بات پر ختم نہیں ہوتی کہ عبادت گاہ میں ہر دن یا ہر ہفتے کچھ گندم وغیرہ کا چڑھاوا دے دیا جائے۔ بل کہ اس کی عبادت تو اس سے زیادہ عموم اور شمول رکھتی ہے۔ اس کی عبادت شریعت کے اتباع اور منہج الٰہی کو لازم پکڑنے، اور اس کے پسندیدہ اور محبوب عمل سے اس کی قربت حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اللہ کے تمام حقوق میں سے سب سے بڑا حق اس کی وحدانیت کو شریعت کے حق کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌO (۲۰۲)

کیا ان کے لئے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے ان کے واسطے کہ جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا اور اگر فیصلے کی ایک بات مقرر نہ ہوچکی ہوتی تو ان میں فیصلہ ہوجاتا اور بے شک جو گناہ گار ہیں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔

ب۔ دوسرا حق انبیاء علیہم السلام کا ہے: ان کے حقوق ان کے پیروکاروں پر بہت زیادہ ہیں، جن میں ان کی جانب سے بتائی گئی چیزوں کی تصدیق کرنا، ان کے احکامات کی اطاعت کرنا، اور اللہ کی عبادت ان کی شرع اور تبلیغ کے مطابق کرنا اور ان کے منع کردہ اعمال سے رک جانا شامل ہیں۔

مسلمان تمام انبیا ومرسلین پر ایمان رکھتا ہے اور ان کی توقیر واحترام کرتا ہے اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ تمام اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُO (۲۰۳)

یہ رسول (حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور تمام مسلمان بھی، یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے (اللہ اور رسول کے احکام کو) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے تعمیل کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں اور آپ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

ایک حق یہ بھی ہے کہ بندے پر ان کی اطاعت لازم ہے۔ اللہ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا O (۲۰۴)

اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

ج۔ والدین کا اپنی اولاد پر حق: یہ دین اسلام میں سب سے بڑا حق ہے، اس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ نے ان دونوں کی اطاعت کو اپنی اطاعت کی مانند قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کے ساتھ احسان (اچھا سلوک) کرنے کو واجب قرار دیتے ہوئے شرک کو ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًاO وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاO (۲۰۵)

اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان

کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لئے دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج (۲۰۶)

(ان سے) کہو کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کون سی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

د۔ بچے کا والد پر حق: بچے کے متعدد حقوق ہیں۔ بچے کے لئے سب سے پہلا حق اس کی پیدائش سے پہلے اس کے لئے ماں کو پسند کرنا ہے۔ اس کے بعد اس کے کھانے پینے اور اوڑھنے، پہننے کا خیال رکھا جائے۔ اس کا اچھا نام رکھا جائے اور اسے ادب آداب سکھائے جائیں، مناسب تعلیم فراہم کی جائے، اس کی صحیح خطوط پر پرورش کی جائے اور بھلائی کی جانب اس کی رہنمائی کی جائے اور اس سے بڑھ کر کیا بھلائی ہوگی کہ (دلائل و براہین کے ساتھ) اسے صحیح دین کی جانب راستہ دکھایا جائے۔ تاکہ وہ محض عقل پرست بن کر نہ رہ جائے۔ بچے کے حقوق میں سے ہے کہ اس پر خرچ کیا جائے اور بالغ ہونے پر اس کی شادی کرائی جائے اور اس کے لئے بھلائی، محبت، شفقت اور خیریت کی دعا کی جائے۔

ہ۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے پر حق: یہ حق شریعت میں اکثر مسائل میں مذکور ہے۔ ہم یہاں صرف تین آیات کے ذکر پر اکتفا کریں گے جو ان تمام حقوق کے لئے جامع ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ O (۲۰۷)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے بنا دیئے تاکہ چین سے رہو ان کے پاس اور تمہارے بیچ مہربانی اور پیار رکھا، بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے بہت پتے کی باتیں ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ط هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲۰۸)

تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔

یہاں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے لئے لباس کہا گیا۔ اور کیا بدن کے لئے لباس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جو اس سے جدا نہ ہو؟ وہ اس کے لئے مناسب ہے اور تمام حالات میں اس کے ساتھ ہے۔

وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ (۲۰۹)

اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔ پس اس جانب رہ نمائی کی گئی کہ میاں بیوی کے مابین تعلق بھلائی کی بنیاد پر استوار ہو۔

و۔ انسان کا اپنے بھائی انسان پر حق: سب سے پہلا حق کہ اس کے ساتھ گرم جوشی سے ملاقات کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نیکی (بھلائی) میں سے کسی چیز کو حقیر (اور کم تر) نہ جانو (اور اگر اپنے) بھائی سے ملو تو گرم جوشی سے ملو۔ (۲۱۰)

اس سے ملاقات کے وقت اسے سلام کرو، اگر وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرو، اور اگر وہ (کسی مصیبت میں) پکارے تو اسے جواب دو۔ جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔ نبی کریم کا ارشاد ہے:

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا۔ مریض کی عیادت کرنا، جنازے میں شرکت کرنا، اس کی پکار کا جواب دینا اور چھینکنے والے کو رحمت کی دعا دینا۔ (۲۱۱)

انسان سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی اس کا حق ہے۔ جب صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام افضل ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (۲۱۲)

مسلمان کا حق مسلمان پر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے مال، عزت و آبرو، خون اور دین کا احترام کرے، اسی لئے صحابہ کرام کے جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

بے شک اللہ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے اموال کو اس طرح حرام فرما دیا ہے جس طرح تمہارے شہر میں اس مہینے کے اسی دن کی حرمت ہے۔ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟

(صحابہ نے کہا) جی ہاں۔ (نبی کریم نے) فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہنا (تین مرتبہ فرمایا) تمہارے لئے بربادی یا سزا ہے، میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (۲۱۳)

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے:

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، خون اور عزت حرام ہے (۲۱۴)

ز۔ پڑوس کا حق: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑوسی کے حق کی اتنی تاکید کی کہ آپ کو گمان ہونے لگا کہ شاید اس کے لئے میراث میں سے بھی کوئی حصہ ہوگا۔ (۲۱۵) قرآن میں تین قسم کے پڑوسیوں کا ذکر آیا ہے۔ ۱۔ جسے پڑوس، قرابت اور اسلام کا حق حاصل ہو۔ ۲۔ جیسے پڑوس اور اسلام کا حق حاصل ہو۔ ۳۔ جسے صرف پڑوس کا حق حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۖ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا (۲۱۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ نیز، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

پڑوسی کو تکلیف واذیت دینا حرام قرار دیا گیا ہے بل کہ اسے دوسروں کو اذیت دینے سے زیادہ بڑی حرمت والا قرار دیا ہے اگر چہ تمام اذیتیں حرام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا، کہا گیا: کون اے اللہ کے رسول؟ (فرمایا) جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ (۲۱۷)

مال میں اضافہ اور اس کی حفاظت

مال زندگی کی رگ، معیشت کی شریان اور لوگوں کی بقائے حیات کے لئے اہم عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۲۱۸)

اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے ہاں ان کو ان میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے بے وقوف (ناسمجھ) افراد کو مال دینے سے منع فرمایا ہے جو مال کی حفاظت اور اس سے استفادہ حاصل کرنے کے نظم ونسق سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ مسلمان کی نظر میں مال (درحقیقت) اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے اللہ کے احکامات کے مطابق عمل کرسکے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اٰتٰىكُمْ (۲۱۹)

اور ان کو اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

اللہ کی جانب سے عطا کردہ مال سے ہماری آزمائش اور امتحان ہوتا ہے اس سے اللہ دیکھتا ہے کہ ہم اس کے احکامات پر کیسے عمل کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ O (۲۲۰)

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ نے مال کو بڑھانے کے لئے خرید وفروخت کی اجازت دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۲۲۱)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اور مزید فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (۲۲۲)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی جانب دوڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہے۔ پھر جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو یاد کرو بہت سارا تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

پس خرید وفروخت (کاروبار) کا مقصد صرف اشیائے ضرورت کا حصول نہیں ہے۔ اسلام حلال کمائی اور مال داری کی خواہش سے منع نہیں کرتا لیکن اس کے لئے شرط لگاتا ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کا خوف رکھنے والے کی مال داری میں کوئی حرج نہیں۔ (۲۲۳)

اسلام نے کاروبار میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شریعت کے موافق ہو، سود، ملاوٹ، دھوکے بازی، جہالت، اور بیچنے والے یا خریدار کے نقصان سے خالی ہو اور چوری کا مال نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یہ مال بہت میٹھا ہے، جس نے اسے اپنے حق کے ساتھ حاصل کیا اور اپنے حق میں رکھا تو اس نے اچھی مشقت وصنعت کی۔ اور جس نے اسے ظلم اور ناحق حاصل کیا وہ اس کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ (۲۲۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن عاص سے فرمایا:

اے عمرو! نیک آدمی کے لئے پاک مال کتنا ہی اچھا ہے۔ (۲۲۵)

اور اس مال سے فضول خرچی اور کنجوسی کے بغیر کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ ارشاد باری ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ O (۲۲۶)

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوش نمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو، یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اس بات کو مشروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جسے مال عطا فرمایا ہے اُس پر اُس مال کا اثر نظر آئے (ظاہر ہو)۔ ابو احوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعرابی جیسی حالت میں پراگندہ صورت تشریف لے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آپ کے پاس مال میں سے کیا (کیا چیز) ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ نے ہر مال میں سے مجھے عطا کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو اس کا اثر (اس بندے پر) دیکھنا پسند کرتا ہے۔ (۲۲۷)

مال کی نعمت کا اس کے مالک پر اظہار کے اثر میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ تکبر کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر سے منع فرمایا تو بعض صحابہ کرامؓ نے یہ خیال کیا کہ یہ ممانعت ظاہری شکل وصورت سے بے توجہی اور لاپرواہی برتنے کو بھی شامل ہے۔ اسی لئے نبی

ﷺ نے فرمایا:

جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، ایک آدمی نے کہا: آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے اور تکبر درحقیقت لوگوں کی تحقیر اور سچ سے دور ہونے سے لاحق ہوتا ہے۔ (۲۲۸)

اللہ تعالیٰ نے مال کو مصارف شرعیہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی ہے، لہٰذا انفاق کی عام دعوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ O (۲۲۹)

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں ہے اپنا نائب کر کر، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور خرچ کیا ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ مال داروں کے اموال میں محروم اور سوال کرنے والے کا بھی حق ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ O (۲۳۰)

اور ان کے اموال میں مانگنے والوں اور محروم (محتاج جو مانگتا نہیں) کا حصہ ہے۔

اسی طرح شریعت نے تمام اموال میں زکوۃ فرض قرار دی ہے جسے مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس بات کی تفصیل اور احکام قرآن وسنت میں بہ کثرت ملتے ہیں، قرآن کریم نے زکوۃ کے مصارف کو واضح طور پر بیان کیا ہے تاکہ اس مسئلے میں لوگوں کی ذاتی اغراض وخواہشات داخل نہ ہوسکیں اور وہ مستحقین اور مال کے درمیان رکاوٹ نہ بن سکیں۔

عدل

عدل ظلم کی ضد ہے۔ اور کہا گیا ہے: عدل مصدر ہے عدالت کے معنی میں، اور وہ اعتدال (میانہ روی) اور استقامت ہے۔ اور وہ حق کی جانب میلان ہے۔ (۲۳۱)

اپنی ذات میں یہ عظیم صفت اور قدر جو اپنے اثر میں بھی بڑی ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے بندوں پر واجب کیا ہے اور ان پر ظلم کی ادنیٰ مقدار کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ ظلم وستم کے ساتھ زندگی صحیح طور پر نہیں چلتی۔ اسی بنا پر انصاف کے حکم اور ظلم کی حرمت پر قرآن وسنت میں کثرت سے نصوص

وارد ہیں جو انصاف کا انجام بتاتی ہیں اور ظلم کے نتیجے سے ڈراتی ہیں، ظالموں کے مستقبل کو بیان کرتی ہیں اور انصاف پرور لوگوں کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا مژدہ سناتی ہیں۔ اسی سبب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا اور فرمایا:

اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا، اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا بس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جو میں تمہارے لئے جمع کرتا ہوں پھر ان کا پورا پورا بدلہ (جزا) دیتا ہوں پس جس نے بھلائی پائی تو وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو اس کے علاوہ پائے تو وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (۲۳۲)

حضور ﷺ نے بہترین طریقے سے انصاف کو قائم فرمایا۔ وہ اپنے مرض موت میں تھے، اس کے بعد دنیاوی زندگی کا اختتام تھا، اپنے رب سے ملاقات کرنی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف لاحق تھا کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریں اور ان پر کسی انسان کا کوئی حق ہو۔ اس لئے وہ اپنے چچازاد بھائی فضل بن عباس کا سہارا لئے ہوئے اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد نبوی پہنچ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں:

میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کا سر بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا، میرا ہاتھ پکڑ و اے فضل! میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور انہیں مسجد میں لے گیا وہ منبر پر تشریف فرما ہوئے (پھر حدیث کو بیان کیا یہاں تک کہ کہا) اگر میں نے کسی کا مال لیا ہے تو یہ میرا مال موجود ہے اس سے لے لے، یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے تین درہم آپ کے پاس ہیں، آپ نے فرمایا: میں کہنے والے کو جھوٹا نہیں کہتا اور نہ قسم اٹھانے کا کہتا ہوں۔ یہ کب میں نے آپ سے لیے؟ آدمی نے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ کے پاس سے ایک سائل گزرا تھا تو آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اسے تین درہم دے دو۔ آپ نے (فضل سے) فرمایا: اے فضل! اسے اس کے درہم دے دو۔ (۲۳۳)

آپ کے دور میں چوری کا ایک واقعہ ہوا، چوری کرنے والی عورت بنی مخزوم سے تھی۔ بنی مخزوم والے قریش کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو آپ کا قبیلہ بھی تھا۔ بنو مخزوم سے ہی خالد بن ولید تھے۔ اور وہ آج کل کی اصطلاح میں حیات طیبہ کے دوران وزیر دفاع تھے اور قائدین اسلام میں سے ایک قائد تھے۔ قصہ مختصر کہ چوری کے اس مسئلے کا حل لوگوں نے زمانہ جاہلیت کے اصولوں کے مطابق کرنا چاہا۔

بالآخر انہوں نے اس معاملے میں آپ ﷺ کے پاس کسی کو سفارشی بنا کر بھیجنا چاہا۔ مشورہ یہ ہوا کہ آپ کے دربار میں آپ کے عزیز ترین حضرت اسامہ سے اس معاملے میں سفارش کروائی جائے۔ چناں چہ حضرت اسامہؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو کی تو آں حضور ﷺ نے فرمایا! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لئے گم راہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی مرتبے اور حیثیت والا شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن اگر کوئی کم زور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو (محمد ﷺ) اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔ (۲۳۴)

اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بیان فرمایا کہ سچ اور حق کو رعایا کے تمام افراد پر منطبق کیا جائے (لاگو کیا جائے) اگر چہ چوری کرنے والی ان کی بیٹی فاطمہ ہی کیوں نہ ہو۔ (اور چوری کرنا درحقیقت ان کی فطرت سے کوسوں دور تھا)۔

یہ انصاف قریب و دور (رہنے والے فرد)، دوست اور دشمن سب کے ساتھ کرنا واجب ہے حتیٰ کہ اگر وہ ظلم بھی کرے تو اس کا یہ ظلم مسلمان کو حق سے تجاوز کرنے پر مجبور نہ کرے۔ ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O (۲۳۵)

اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لئے حرام لے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جا رہے ہوں، اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو، اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بات بھی یاد دلائی ہے کہ انصاف (ہر حال میں) واجب ہے اگرچہ جس شخص پر حق ہو چاہے وہ کوئی کرم نواز مال دار ہو یا کوئی قرابت دار فقیر۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (۲۳۶)

اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف وہ شخص (جس کے خلف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف سے روکتی ہو، اور اگر تم توڑ مروڑ کروگے (یعنی غلط گواہی دوگے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

طاقت (قوت)

قوت (طاقت) ضعف (کم زوری) کی ضد ہے، اور قوت: رسی کی لڑی اس کی جمع قویٰ آتی ہے۔ اور رجل شدید القویٰ ''تندرست وتوانا آدمی''۔ (۲۳۷)

طاقت زندگی کے اجزا میں سے ہے، زندگی اس کے بنا صحیح طور پر نہیں گزرتی، یہ افراد اور امم کی صحت کی علامت ہے، اس کے ذریعے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور مظالم سے دفاع حاصل ہوتا ہے، دشمن کو ڈرایا جاتا ہے، اہداف کو مکمل کیا جاتا ہے، معاشرہ عیش وعشرت اور آرام کے اسباب کے ساتھ مستفید ہوتا ہے، اور ہر کام میں مقصد حاصل کرتا ہے، اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ طاقت ور ممالک کے ہاں بہترین تعلیم ہوتی ہے، ہمہ جہت مکمل ہسپتال، بڑے بڑے لشکر اور دنیا کے ساتھ اعلیٰ سطح پر روابط وتعلقات ہوتے ہیں۔

اسلام میں طاقت امت اور افراد کے حقوق کی حفاظت اور خود غرض اور برا چاہنے والے افراد کی خواہشات اور لالچ کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے اقتدار کو وسیع کرنے اور سارے دین کو خالصتاً اللہ کے لئے کرنے کے عمل میں استعمال کی جاتی ہے، اور اس لئے بھی کہ انسان کا ڈر اور اس کا جھکنا صرف اللہ کے لئے خالص ہو کسی جنس، کسی عنصر، کسی مصلحت یا کسی دیگر چیز کے لئے نہ ہو، اور معاشرے کو زندگی کے وہ تمام مقاصد حاصل ہو جائیں جو اس کی کام یابی میں حصے دار ہوں اور اس سے فساد وشر کے

بادلوں کو دور کر سکیں۔ پس طاقت اسلام میں تعمیری عنصر ہے اور کارکردگی کی بنیاد ہے، انصاف کی حفاظت اور ایک عنصر کی دوسرے پر سرکشی نہ کرنے کا راستہ ہے۔ اگر اسلامی تاریخ میں طاقت کا کوئی ناجائز استعمال پایا گیا ہے تو وہ نادر الوقوع ہے اور اسلام بہ حیثیت دین اس کا ذمے دار نہیں۔ دین اسلام میں طاقت کو اس وقت تک قابل انتفاع نہیں سمجھا جاتا جب تک اس کے ساتھ امانت نہ ہو، جس کے ہونے سے انسان مضبوط و ایمان دار ہو جاتا ہے۔ اور فرد کے ایسے ہونے سے امت مضبوط و امین ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ○ (۲۳۸)

ان میں سے ایک نے کہا، اے باپ! اس کو اجرت پر رکھ لو۔ بے شک جس کو تم اجرت پر رکھو ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔

اس کے علاوہ چیزوں میں طاقت زیادہ تر ذاتی مفادات یا ملکی مفادات حاصل کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اسی لئے جنگوں کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اور ممالک لڑتے ہیں، اور معاشروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ عالم انسانیت نے اسی طرح کی دو عالمی جنگوں سے بھی بہت زیادہ نقصان اٹھایا ہے۔ اور سرد جنگوں کے نقصانات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت رکھتے ہیں۔ اسلام نے اس پہلو سے جن تعلیمات کا سبق دیا ہے ان میں یہ بات اہم ہے کہ اسلام نے موجودہ حالت کے پیش نظر جتنی بھی طاقت کا ہونا ضروری ہو اس کا حاصل کرنا لازمی قرار دیا ہے۔ فرمان باری ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۲۳۹)

اور مسلمانو! جس قدر طاقت تم سے بن پڑے ان کے مقابلے کے لئے تیار کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت کے بڑے اسباب کی جانب رہ نمائی فرمائی ہے: ارشاد نبوی ہے:

الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی (۲۴۰)

خبردار! بے شک طاقت تیر اندازی میں ہے، خبردار! بے شک طاقت تیر اندازی میں ہے، خبردار! بے شک طاقت تیر اندازی میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فرد کو ڈرایا بھی ہے جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو بھلا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او قد عصی (۲۴۱)

جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے (یا کہا) اس نے گناہ کیا۔

اسلام نے جس طاقت کے حصول اور اس کی تیاری کا حکم دیا ہے وہ دین میں حقوق کی حفاظت اور ظلم وستم کو روکنے کے لئے ہے۔ یہ ایسی طاقت ہے جو سلامتی کی جانب مائل ہوتی ہے اور انصاف کی جانب بھاگتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ اس ضمن میں رہ نمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O (۲۴۲)

اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، اور سب کچھ جانتا ہے۔

نصوص شرعیہ میں غور کرنے والے افراد کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو اللہ کی اطاعت کرنے، گناہوں سے توبہ کرنے اور اللہ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی طاقت میں اپنی طاقت کا اضافہ فرمادے۔ ارشاد باری ہے:

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ O (۲۴۳)

اے میری قوم! تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور تمہیں قوت دے کر تمہاری موجودہ قوت کو بڑھادے گا اور تم نافرمان ہوکر روگردانی نہ کرو۔

یہ حضرت ہود اور ان کے بعد آنے والی تمام اقوام وملل کے لئے قابل توجہ بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ انسان کو اپنے دینی ودنیاوی نفع کے حصول میں حریص ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک طاقت ور مومن ضعیف مومن سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

اللہ کے نزدیک طاقت ور مومن ضعیف مومن کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔ اور ہر نیکی میں اپنے نفع پر حریص بن جاؤ، اور اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو، اور اگر تمہیں کوئی (نقصان دہ چیز) لاحق ہو جائے تو یہ مت کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا، لیکن یہ کہو کہ یہ اللہ کی جانب سے مقدر ہے جو اس چاہا وہ کیا، اس لئے کہ ''اگر'' شیطان کے کام کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (۲۴۴)

اس حدیث سے چار امور کا استخراج ہوتا ہے:

۱۔ طاقت ور مومن ضعیف مومن سے بہتر ہے۔

۲۔ مسلمان کو اپنے نفع کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ بندہ اپنے رب سے مدد طلب کرے اور عاجز (مایوس) نہ ہو۔

۴۔ جب کوئی ناپسندیدہ چیز پیش آئے تو نادم نہ ہو اور نہ ہی ماضی کی جانب توجہ کرے اور نہ فوت شدہ چیز پر حسرت کا ظہار کرے، بل کہ اس پیش آمدہ ناپسندیدہ واقعے سے سبق حاصل کرے اور اپنے ارادے کے حصول میں زیادہ بہتر طور پر محنت اور کوشش کرے۔ کیوں کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاسکتا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

چوں کہ مسلمان سے طاقت ور ہونے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس لئے تو نصوص شرعیہ اسباب طاقت و قوت اختیار کرنے پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کو لیا جائے اور ان کے خلاف جانے والے سے مناقصہ کیا جائے، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ طاقت ور ہے تو وہ اسی کی جانب مائل ہو اور اسی سے مدد طلب کرے اور اسے تمام احوال میں یہ کہنے کا حکم دیا گیا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ چیز اسے اس بات کا احساس دلاتی رہے گی کہ وہ اللہ کی مدد کے بغیر ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب نہیں جا سکتا اور نہ اللہ کی مدد کے سوا طاقت پا سکتا ہے۔ اسی لئے مسلمان کتنی بڑی بھی طاقت کیوں نہ ہو اس سے نہیں ڈرتا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی سب سے بہترین دلیل ظالموں اور متکبروں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود سے لڑائی کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ برسر پیکار ہیں، اور محمد ﷺ قریش کے ایک گروہ کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں، اور یہ تمام دشمن کی طاقت، اس کی تعداد اور مکمل تیاری کے باوجود بھی کام یاب و کامران رہے اور یہ سب کے سب گویا زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

وَمَالَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ O وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ O وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ O (۲۴۵)

اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ حالانکہ اسی نے ہمیں راستے دکھائے اور البتہ تم نے جو ایذا ہمیں دی ہے ہم تو اس پر صبر ہی کریں گے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا

چاہئے۔ اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ۔ پھر ان کے رب نے ان کی طرح وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کردیں گے۔ اور ان کے بعد ہم تمہیں زمین پر آباد کردیں گے۔ یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

۲۔ مسلمان شرائع اور احکامات کو کسی خوف اور ڈر کے بجائے بہادری سے لے (اور انہیں اختیار کرے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ○ (۲۴۶)

اور ہم نے تختیوں میں ان کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، (اور یہ حکم دیا کہ) اب اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے بہترین احکام پر عمل کریں۔ میں عن قریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھادوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ کی زبان سے یہودیوں کو اس عہد کے بارے میں یاد دلایا جس کا انہوں نے ذمے لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (۲۴۷)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا، اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر اٹھا کھڑا کیا تھا (کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو، اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کو یاد رکھو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔

جس طرح قوت کے ساتھ لینے کا حکم جہاں شرائع و احکامات کی جانب رہ نمائی کرتا ہے وہاں یہ زندگی کے تمام اطراف و جوانب کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے، ہمیں اس لئے چاہئے کہ ان میں بھی طاقت سے کام لیا جائے تاکہ انسان اپنے اور امت کے مصالح و مفاد کو یقینی بنانے کے لئے کام کرسکے۔

۳۔ مسلمان اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرلے۔ اللہ پر توکل اسباب اختیار کرنے سے مانع نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسباب کی تاثیر کا جاننا اسے صرف ان ہی سے متعلق کردیتا ہے اور اللہ سے مستغنی کردیتا ہے، اسی لئے جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا کہ کیا میں اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دوں اور پھر توکل کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے باندھ دو اور پھر توکل کرو۔ (۲۴۸)

۴۔ان نتائج پر راضی ہو جانا جن کی ہم اپنی کوششوں تاویل کرتے ہیں۔اس لئے کہ مسلمان جانتا ہے کہ جو اسے پیش آئے گا وہ اسے غلط کرنے کے لئے نہیں ہوگا، اور جو کچھ اس سے چھوٹ گیا وہ اسے پیش نہیں آئے گا، اسی لئے اسے پیش آنے والے مصائب اور غلط اجتہادات اسے بیٹھ جانے، سستی اور عاجزی کی طرف نہیں لے جاتے۔ یہ اور اس سے پہلے والی بات کی موجودگی مسلمان کو ایسا سامنا کرنے والا بنا دیتی ہے جو ڈرتا نہیں ہے، اور ایسا بہادر بنا دیتی ہے جو بزدلی نہیں دکھاتا، اور تمام کاموں میں اسے اطمینان دلاتی ہے، اس لئے اس کا اللہ پر اس بات کا گہرا ایمان ہوتا ہے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے۔ اور وہی اکیلا مدد کرنے والا ہے، وہی توفیق دینے والا اور راستے بند کرنے والا ہے۔

۵۔اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کرنے سے ڈرانا، جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اس کے رسل وانبیا کی نافرمانی کرتا ہے تو اس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتی، البتہ کبھی کبھی اس میں تاخیر ہو جاتی ہے، ایسی حکمت کی بنا پر جو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَO وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِO (۲۴۹)

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ۔ پھر ان کے رب نے ان کی طرح وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کردیں گے۔ اور ان کے بعد ہم تمہیں زمین پر آباد کردیں گے۔ یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

اللہ تعالیٰ زندہ لوگوں کو گزرے ہوؤں کا انجام بتاتے ہوئے فرماتا ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلِلْکٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَاO (۲۵۰)

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔اللہ نے انہیں تباہ کردیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔

دنیا میں ہونے والے ہر فساد کا سبب انبیا ورسل علیہم السلام کی تعلیمات کی مخالفت ہے، ارشاد باری ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَO (۲۵۱)

لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا تا کہ اللہ لوگوں کو ان کی بد اعمالیوں کا کچھ مزہ چکھائے، اور وہ باز آجائیں۔

۶۔قوت کو توڑنے اور اسے ختم کرنے والے امور سے بچتے رہنا، اس کے دو اسباب ہیں:

پہلا سبب اختلاف اور تفرقہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ O (۲۵۲)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کم زور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو۔یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اختلاف طاقت کو ختم کر دیتا ہے اور کم زوری کو لازم کر دیتا ہے، یہ تو معاشرے کی سطح پر ہے، انفرادی سطح پر بھی اللہ تعالیٰ نے عزم کے بعد تردد سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ O (۲۵۳)

اور ان سے اہم معاملات میں مشورہ لیتے رہو پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

دوسرا سبب: طاقت اور کثرت سے فریب کھانا۔اس لئے کہ یہ اللہ پر توکل کرنے سے دور کر دیتا ہے، اور مدمقابل کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی اور ان کے صحابہ سے فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ O ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ O (۲۵۴)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے۔اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا۔پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی جانب سے تسکین نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا

تھا اللہ نے ان کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے۔

اللہ نے ماضی میں اپنی طاقت اور تعداد پر کبر اور غرور کرنے والی امتوں کا انجام بتایا ہے جنہیں ان کی طاقت اور کثرت نے اللہ کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ فرمان باری ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَکَانُوْا اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً ط وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعْجِزَہٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ط اِنَّہٗ کَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا O (۲۵۵)

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ قوی تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ بے شک وہ بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

مخالف کو برداشت کرنا

انسانی نفس قریب رہنے والے فرد (کی غلطیوں) کو برداشت کرتا ہے۔ اس کی جہالت پر صبر کرتا ہے، اس کی بے وقوفی پر خاموشی اختیار کرتا ہے، اس کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتا ہے، اگر وہ ظلم کرے تو اس سے بھلائی کرتا ہے، یہ انسانی عرف میں ایک طبعی امر ہے۔ مگر نفس کا دشمن کو برداشت کرنا، اس کے ساتھ عدل وانصاف کرنا، اس کی شر انگیزیوں پر صبر کرنا، اسے معاف کرنا اور اس کے ساتھ بھلائی اور رحم والا معاملہ کرنا اور اس قسم کی دیگر عادات وافعال جنہیں صرف اچھے نفوس ہی انجام دیتے ہیں، یہ سب انسانی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا، سوائے ان لوگوں کی جانب سے جو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے، وہ راستہ جسے اللہ نے شروع کیا اور اس کی جانب آنے کی دعوت دی۔ چوں کہ اسلام اس کی شریعت اور طریقہ ہے اس لئے اس کے ضمن میں مکمل ترین مثل کہ دشمن کے ساتھ مشہور ترین تعامل موجود ہے۔ قرآن اور نبوی توجیہات میں سیدھا راستہ، قابل اتباع سنت اور بہترین نمونے موجود ہیں جو دشمن سے معاملات اور اس پر احسان سے متعلق ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

دشمن اگرچہ ظلم وستم کرے مگر اس کے ساتھ انصاف سے پیش آنا چاہئے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ O (۲۵۶)

اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس

بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

یہ آیت اس واقعے کے فوراً بعد نازل ہوئی جب بتوں کے پجاریوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کو خانہ کعبہ کے طواف سے روک دیا تھا۔ ایسے موقع پر اللہ کی جانب سے اپنے نبی ﷺ کی عدل وانصاف چاہنے کی جانب رہ نمائی کتنی بڑی اور عظیم تھی۔ اس میں دشمن پر اپنا غصہ نکالنے کے سلسلے میں حد سے آگے بڑھنے سے ممانعت بھی تھی۔ یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ آیت کا اختتام کس طریقے سے تقویٰ کو لازم پکڑنے کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس بات کی یاد دہانی بھی کرائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اسلام نے جہاں مخالفین کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کرنے کو مشروع قرار دیا ہے، وہاں مسلمانوں پر اس بات کو بھی واجب قرار دیا ہے دیگر غیر مسلموں کے سامنے ہدایت کو پیش کریں تاکہ انہیں بھی اس عظیم بھلائی میں شرکت کا موقع ملے اس لئے آخری رسالت تمام انسانیت کے لئے ہے، یہ کوئی خاص عنصری یا وطنی رسالت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ تمام انسانوں (سے مخاطب ہوکر) کہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۲۵۷)

(اے رسول! ان سے) کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

مخالف کو جہاں اسلام کی دعوت دینا مشروع قرار دیا گیا ہے وہاں مخالف کے کسی نبی کے ساتھ جاہلانہ فعل وعمل پر صبر کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اگر وہ بے وقوفی کرے تو برداشت سے کام لینے کا حکم ہے۔

یہودی سردار زید بن سعنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہمارے لئے رہ نما ہے، جب یہودی سردار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے صحابہ کے درمیان ڈھٹائی اور دست درازی کا

سلوک کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ اس واقعے میں نبی کریم بہ حیثیت سربراہ مملکت اور نبی کے تھے اور اپنے جاں نثار صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اور یہ دست درازی کرنے والا ان کی جنس اور دین سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے برداشت کرنا اور اس کی حرکت پر صبر کا مظاہرہ کرنا اس کی اسلام کی جانب ہدایت کی خاطر تھا۔ (۲۵۸)

اسی طرح رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی وفات پر اس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اور اس کے کفن کے لئے اس کے بیٹے کو اپنی قمیص کا عنایت فرمانا اور اس کے لئے دعا کا کرنا مسلمانوں کے لئے رہ نمائے عمل ہے۔ (۲۵۹) حال آں کہ یہ وہ شخص تھا جس نے لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کیا اور احد کے موقع پر ایک تہائی لشکر کو لے کر آپ سے الگ ہو گیا تھا۔

اسلام میں صرف مخالف کے فعل پر صبر کی دعوت نہیں دی گئی بل کہ اس بات کو بھی مسلمان کے لئے مشروع قرار دیا گیا ہے کہ وہ مخالف کے ساتھ رحم وکرم سے پیش آئے اور اس کی جہنم سے نجات اور بچاؤ کی کوشش کرے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی ہدایت کی خاطر اپنی جان کو تھکا دیتے تھے، اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O (۲۶۰)

شاید اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے، آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ O (۲۶۱)

تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھایا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (مومن کے برابر ہو سکتا ہے)۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گم راہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ان کے غم میں کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ بے شک اللہ اس سے خوب واقف ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

ذیل میں بیان کی جانے والی حدیث سے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینے کی حرص کا اندازہ لگا سکتے ہیں یہاں تک کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپ نے اسے دعوتِ اسلام پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا تو حضور ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے۔ اور اس سے فرمایا: اسلام لے آؤ۔ اس نے قریب موجود اپنے والد کی جانب دیکھا تو باپ نے کہا: ابوالقاسم کی اطاعت کرو۔ تو وہ لڑکا اسلام لے آیا۔ (۲۶۲)

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر قابو پالو تو ان کے ساتھ احسان وبھلائی کا سلوک کرو۔ ارشاد ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۲۶۳)

برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

اور سورۃ النحل میں اس بات کی واضح دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا قول موجود ہے کہ ''اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی کہ تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے''۔ (۲۶۴) اسی طرح جنگ نہ کرنے والے مخالفین سے بھی احسان اور بھلائی کا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ O (۲۶۵)

اللہ تمہیں اُن لوگوں سے بھلائی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ اُنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسی طرح ایک بڑا یہودی عالم آپ کی مجلس میں آتا تھا اور تورات کی کچھ سچی باتیں بتاتا تھا تو آپ اس کی تصدیق فرماتے تھے۔ (۲۶۶)

حضور پاک نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، وہ اس لئے کہ وہ اپنے انبیا کی تعلیمات کے خلاف عمل کرتے تھے اور دین کو انہوں نے ذاتی اغراض ومقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ اسی لئے ان پر تشنیع اور ان کے افکار باطلہ کا رد قرآن میں مذکور ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ط وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ O (۲۶۷)

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ (تورات کے) الفاظ کو ان کی جگہ سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی اور ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی، سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے در گزر فرمایئے، بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا، پھر وہ بھی اس نصیحت کا ایک حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی، سو ہم نے قیامت تک ان میں عداوت اور کینہ ڈال دیا اور اللہ بہت جلد ان کو بتادے گا کہ وہ کیا کرتے تھے؟

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَیْسُوْا سَوَآءً ط مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ O یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ط وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ O وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّکْفَرُوْہُ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ O (۲۶۸)

وہ سب برابر نہیں ہیں (کیوں کہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے راستے پر ہے، وہ راتوں کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔ اور وہ جو کچھ بھی نیکی کریں گے اس کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے گا، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اسلامی اقدار کے اس خوب صورت جائزے، مثالوں اور بنیادوں کے مطالعے کے بعد تحقیق کار اس میدان میں اسلام کی تمام تعلیمات و اقدار کے احاطے سے عجز ظاہر کرتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس نے چھوڑا ہے وہ ذکر کردہ مواد سے کافی زیادہ ہے۔ اس کے باوجود میں آخر میں ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کے الفاظ نقل کرتا ہوں کہ ان موضوعات پر تحقیق کرنے والا منصف مزاج تحقیق کار اس کی وسعت کا احاطہ نہیں کرسکتا، اس لئے کہ ہر چیز میں اسے اس بات کی ایک نئی نشانی ملتی ہے کہ قرآن کریم فرد کا نفسیاتی

صورت گر نہیں اور نہ ہی قوم کی عقل مندی کا آئینہ ہے اور نہ ہی زمانے کی تاریخ کا کوئی دفتر ہے، بل کہ وہ انسانیت کے لئے ایک کھلی کتاب ہے، اس کی پیاس بجھانے کا چشمہ آب ہے۔ دنیا میں چاہے جتنے بھی زمانے بیت جائیں اور اجناس، رنگ و نسل اور زبانیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائیں اور جھگڑے اور تنازعات میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ ہو جائے، ہر زمانے میں حق اور سچائی کا متلاشی اس میں سیدھی اور سچی راہ تلاش کرے گا جو اسے بصیرت اور دلیل کے ساتھ اللہ تک پہنچا دے گی۔ (۲۶۹) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ O (۲۷۰)

بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اس کے اختتام پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اس کام کی توفیق دی اور اس کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کام کو علم نافع اور عمل خالص بنا دے اور روز قیامت اس کے ذریعے میزان کو بھاری فرما دے۔ اور دونوں جہاں میں اس کے ذریعے ہمیں نفع پہنچا دے۔ وہی اس کا ولی ہے اور اس پر قادر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الشوریٰ: ۵۲، ۵۳۔

۲ جارج بش۔ محمد ﷺ۔ مؤسس الدین الاسلامی ومؤسس امبراطوریہ المسلمین۔ ترجمہ: عبدالرحمٰن عبداللہ الشیخ، ریاض، دارالمریخ۔ ۱۴۲۵ھ: ص ۳۵۳

۳۔ العلق: ۱، ۵

۴۔ محمد طاہر بن عاشور۔ التحریر والتنویر۔ تونس، دارسحنون: ج ۱۵، ص ۴۳۴

۵۔ محمد: ۱۹

۶۔ محمد بن جریر الطبری۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔ محقق: محمد احمد شاکر۔ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ: ج ۲۶، ص ۵۳

۷۔ الصحیح۔ مسلم بن الحجاج القشیری۔ تحقیق: محمد فواد عبد الباقی۔ داراحیاء التراث: ج ۴، ص ۲۰۷۴، رقم ۲۶۹۹

۸۔ سنن الدارمی۔ تحقیق: نواز احمد زمرلی۔ بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ: ج ۱، ص ۱۱۰، رقم ۳۴۲

☆ محمد بن عیسی الترمذی۔ السنن۔ تحقیق: احمد شاکر۔ بیروت، داراحیاء التراث: ج ۵، ص ۴۸

۹۔ محمد بن اسماعیل، البخاری۔ الصحیح۔ بیروت، دارابن کثیر، ۱۴۰۷ھ: ج ۱، ص ۳۹، رقم ۷۱

☆ صحیح مسلم: ج ۲، ص ۷۱۸، رقم ۱۰۳۷

۱۰۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ تحقیق: محب الدین الخطیب، بیروت، دارالمعرفۃ، ج ۱، ص ۱۶۵

۱۰/۱۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۷۸۷، رقم ۲۲۸۲

۱۱۔ آل عمران: ۱۸، ۱۹

۱۲۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔

دار الفکر، ۱۴۰۱ھ: ج ۱، ص ۳۵۴

۱۳۔ احمد بن حسین بن علی بیہقی۔ السنن۔ تحقیق: محمد عبدالقادر عطا۔ مکہ مکرمہ، مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ: ج ۱۰، ص ۲۰۹

۱۴۔ شمس الدین محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ۔ مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ، بیروت، دار الفکر: ص ۶۳ تا ۶۶

۱۵۔ المجادلۃ: ۱۱

۱۶۔ الزمر: ۹

۱۷۔ المرجع السابق: ۶۵

۱۸۔ الانبیاء: ۲۱ تا ۲۴

۱۹۔ المائدہ: ۷۵

۲۰۔ سنن الترمذی: ج ۴، ص ۳۶۴، رقم ۲۰۰۷

۲۱۔ الزخرف: ۲۲ تا ۲۴

۲۲۔ النساء: ۸۲

۲۳۔ سبا: ۴۶

۲۴۔ جامع البیان: ج ۲۲، ص ۱۰۴۔۱۰۵

۲۵۔ تفسیر القرآن العظیم: ج ۲، ص ۲۷۱

۲۶۔ الروم: ۲۸

۲۷۔ الفصلت: ۳۹

۲۸۔ المومنون: ۷۱

۲۹۔ القصص: ۵۰، ۵۱

۳۰۔ النحل: ۷۸

۳۱۔ الاسراء: ۸۵

۳۲۔ غافر: ۸۳

۳۳۔ موریس بوکائے۔ القرآن والتوراۃ والانجیل و العلم۔ دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف العلمیۃ الحدیثۃ۔ دار المعارف: ص ۲۸۵

۳۴۔ الحجرات: ۶

۳۵۔ الاسرا: ۳۶

۳۶۔ جامع البیان: ج ۱۵، ص ۸۵

۳۷۔ الاعراف: ۳۳

۳۸۔ بخاری: ج ۶، ص ۲۵۸۵، رقم ۶۶۴۰

۳۹۔ الانفال: ۶۰

۴۰۔ النساء: ۷۱

۴۱۔ الانشقاق: ۶

۴۲۔ الزلزال: ۷، ۸

۴۳۔ التوبہ: ۱۰۵

۴۴۔ القصص: ۲۶

۴۵۔ الشمس: ۷، ۱۰

۴۶۔ البقرہ: ۸۳

۴۷۔ مسلم: ج ۱، ص ۶۷، رقم ۴۵

۴۸۔ البقرہ: ۲۷۵

۴۹۔ الاعراف: ۳۱

۵۰۔ محمد بن عبدالواحد بن احمد المقدسی۔ الاحادیث المختارہ۔ تحقیق: عبدالملک بن دہیش۔ مکہ مکرمہ، مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ: ج ۴، ص ۱۷۰

۵۱۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۰۷۵، رقم ۵۱۳۰

۵۲۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۶۱۸، رقم ۲۰۴۸

۵۳۔ الاحادیث المختارۃ: ج ۳، ص ۱۶۱

۵۴۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۱۷۷، رقم ۵۴۳۷

۵۵۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۱۳۲، رقم ۵۳۰۱

۵۶۔ الصافات: ۵۳

۵۷۔ طاہر احمد الزواوی۔ ترتیب القاموس المحیط۔ ۱۴۱۷ھ، مادہ دین: ج ۱، ص ۱۵۴۶

۵۸۔ الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی۔ المفردات فی

غریب القرآن۔ تحقیق: محمد سید کیلانی۔ بیروت، دار المعرفۃ: ص ۱۷۵

۵۹۔ فیروز آبادی۔ القاموس المحیط۔ مادہ دین۔ ج ۱: ص ۱۵۴۶

۶۰۔ محمد عبداللہ دراز۔ الدین۔ دار القلم، ۱۳۹۰ھ: ص ۳۳

۶۱۔ علی بن محمد الجرجانی۔ التعریفات۔ بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۵ھ: ج ۱، ص ۳۴۴

۶۲۔ جمیل صلیبا، المعجم الفلسفی۔ بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۸۲: ص ۸۶

۶۳۔ معجم العلوم الاجتماعیہ۔ تالیف الشعبۃ القومیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ۔ یونیسکو، اعداد: نخبۃ من الاساتذہ، تصدیر ومراجعۃ: ابراہیم مدکور، نشر الھیئۃ المصریۃ للکتاب، ۱۹۷۵: ص ۲۷۰

۶۴۔ احمد علی عجیبہ۔ دراسات فی الادیان الوثنیۃ القدیمۃ۔ مصر، دار الآفاق العربیۃ، ۱۴۲۴ھ: ص ۲۱ تا ۲۷

۶۵۔ الخصن الذھبی۔ ترجمہ: ابو احمد زید۔ الھیئۃ المصریۃ العامۃ للتالیف، ۱۹۷۱ء: ص ۲۱۷

۶۶۔ رؤوف شلبی۔ یا أھل الکتاب: ص ۴۸۔ بہ حوالہ: احمد علی عجیبۃ۔ دراسات فی الادیان الوثنیۃ القدیمۃ: ص ۳۱

۶۷۔ محمد بن عبداللہ بن صالح الحمیم۔ الاسلام اصولہ ومبادئہ۔ الریاض، وزارۃ الشوؤن الاسلامیۃ، ۱۴۲۲ھ: ص ۵۹ تا ۷۵

۶۸۔ مفتاح دار السعادۃ: ج ۲، ص ۳۸۳

۶۹۔ الدین ص ۸۲

۷۰۔ دراسات فی الادیان القدیمۃ: ص ۴۳

۷۱۔ سلسبیل الاسلامیہ کی ویب سائٹ، موضوع: دین کی ضرورت: یوسف قرضاوی کا مقالہ

۷۲۔ عمارہ نجیب۔ الانسان فی ظل الادیان۔ ریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۰ھ: ص ۲۶، ۲۷

۷۳۔ المرجع السابق: ص ۲۷

۷۴۔ الدین والعلم: ص ۱۷۳۔ نقلا عن دراسات فی الادیان: ص ۷۷

۷۵۔ التین: ۴

۷۶۔ التین: ۵، ۶

۷۷۔ محمد اسد۔ الطریق الی الاسلام۔ ترجمہ: عفیف بعلبکی، مکتبہ عبیکان۔ ریاض، ۱۴۱۸ھ: ص ۱۵۲

۷۸۔ النمل: ۸۸

۷۹۔ لسان العرب: ج ۱۳، ص ۷۳

۸۰۔ النمل: ۸۸

۸۱۔ جامع البیان: ج ۲۰، ص ۲۱

۸۲۔ تفسیر القرآن العظیم: ج ۳، ص ۳۷۹

۸۳۔ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی۔ المعجم الاوسط تحقیق: طارق بن عوض اللہ۔ قاہرہ، دار الحرمین ۱۴۱۵ھ: ج ۱، ص ۲۷۵

۸۴۔ محمد بن مکرم بن منظور الافریقی۔ لسان العرب۔ بیروت، دار صادر: ج ۷، ص ۴۲۷۔ ۴۳۰

۸۵۔ البقرہ: ۱۴۳

۸۶۔ محمد بن جریر الطبری: ج ۲، ص ۶

۸۷۔ الانعام: ۱۵۳

۸۸۔ بخاری۔ ج ۵، ص ۱۹۴۹، رقم ۴۷۷۶

۸۹۔ احمد بن حنبل۔ المسند۔ موسسۃ قرطبہ۔ مصر: ج ۳، ص ۲۵۶

۹۰۔ القصص: ۷۷

۹۱۔ النور:۳۶۔۳۸
۹۲۔ تفسیر القرآن العظیم: ج۳،ص۲۹۶
۹۳۔ الاعراف:۳۱
۹۴۔ المستدرک علی الصحیحین: ج۱،ص۷۶
۹۵۔ المسند: ج۲،ص۳۱۱
☆ الترمذی: ج۵،ص۱۲۳
۹۶۔ مسلم: ج۱،ص۹۳،رقم۹۱
۹۷۔ الاسراء:۲۳
۹۸۔ البقرہ:۲۲۸
۹۹۔ النحل:۹۷
۱۰۰۔ مسلم: ج۲،ص۸۸۹،رقم۱۲۱۸
۱۰۱۔ ترمذی: ج۴،ص۳۱۹
۱۰۲۔ بخاری: ج۱،ص۵۰،رقم۱۰۱
۱۰۳۔ المرجع السابق: ج۲،ص۶۵۹،رقم۹۵۶
۱۰۴۔ المائدہ:۵۴
۱۰۵۔ التوبہ:۱۰۰
۱۰۶۔ البقرہ:۱۶۵
۱۰۷۔ ابراہیم:۳۴
۱۰۸۔ البقرہ:۱۶۵
۱۰۹۔ ابن قیم الجوزیہ۔ طریق الہجرتین و باب السعادتین۔ ریاض، دارالوطن: ص۴۷۱،۴۷۳
۱۱۰۔ القلم:۴
۱۱۱۔ جامع البیان: ج۲۹،ص۱۸
۱۱۲۔ المرجع السابق: ج۲۹،ص۱۸
☆ تفسیر القرآن العظیم: ج۴،ص۴۰۳
۱۱۳۔ مسلم: ج۱،ص۶۷،رقم۳۲
۱۱۴۔ بخاری: ج۱،ص۱۴،۱۶
۱۱۵۔ المرجع السابق: ج۳،ص۱۲۷۱،رقم۳۲۶۱
۱۱۶۔ آل عمران:۳۱۔۳۲
۱۱۷۔ المرجع السابق: ج۱،ص۱۴،رقم۱۳
۱۱۸۔ مسلم: ج۱،ص۷۴،رقم۵۳
۱۱۹۔ المرجع السابق: ج۵،ص۲۲۳۸،۵۶۶۵
۱۲۰۔ البقرہ:۱۸۷
۱۲۱۔ الروم:۲۱
۱۲۲۔ تفسیر القرآن العظیم: ج۲،ص۲۷۵
۱۲۳۔ بخاری: ج۴،ص۱۵۸۴،رقم۴۱۰۰
۱۲۴۔ المستدرک: ج۳،ص۸
۱۲۵۔ بخاری: ج۲،ص۵۳۹
۱۲۶۔ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر۔ مختار الصحاح۔ تحقیق: محمود خاطر۔ بیروت، مکتبہ لبنان، ۱۴۱۵ھ، مادۃ رحم: ج۱،ص۱۰۰
۱۲۷۔ المفردات: ص۱۹۱
۱۲۸۔ الانبیاء:۱۰۷
۱۲۹۔ الکہف:۵۹
۱۳۰۔ الانعام:۱۲
۱۳۱۔ الاعراف:۱۵۶
۱۳۲۔ بخاری: ج۶،ص۲۷۴۵،رقم۷۱۱۵
۱۳۳۔ المرجع السابق: ج۵،ص۲۳۷۴،رقم۶۱۰۴
۱۳۴۔ التوبہ:۱۲۸
۱۳۵۔ المرجع السابق: ج۳،ص۱۱۸۰،رقم۳۰۵۹
۱۳۶۔ دیکھئے: احمد بن الحسین بن علی البیہقی۔ السنن الکبریٰ۔ تحقیق: محمد عبد القادر عطا۔ مکہ مکرمہ، مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ: ج۹،ص۱۱۸
۱۳۷۔ بخاری: ج۵،ص۲۲۳۵،رقم۵۶۵۱
۱۳۸۔ المرجع السابق: ج۵،رقم۲۲۳۵
۱۳۹۔ المستدرک علی الصحیحین: ج۴،ص۲۶۷

۱۴۰۔ سنن ابی داؤد: ج ۳، ص ۲۳
۱۴۱۔ صحیح مسلم: ج ۴، ص ۱۷۶۱، رقم ۲۲۴۰
۱۴۲۔ الفرقان: ۶۳
۱۴۳۔ بدائع الفوائد: ج ۲، ص ۱۴۳
۱۴۴۔ لسان العرب۔ مادۃ سلم: ج ۱۲، ص ۲۹۰
۱۴۵۔ بدائع الفوائد: ج ۲، ص ۳۷۱
۱۴۶۔ بدائع الفوائد: ج ۲، ص ۳۷۳
۱۴۷۔ ابن قیم الجوزیہ۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ تحقیق: طٰہٰ عبدالرؤف۔ بیروت، دار الجیل، ۱۹۷۳ء: ج ۲، ص ۳۶۲
۱۴۸۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۵۰، رقم ۹۸۹
۱۴۹۔ قریش: ۱ تا ۴
۱۵۰۔ اعلام الموقعین: ج ۲، ص ۳۶۳
۱۵۱۔ الحشر: ۲۳
۱۵۲۔ الانعام: ۱۲۷
۱۵۳۔ الاحزاب: ۴۳، ۴۴
۱۵۴۔ یٰسین: ۵۸
۱۵۵۔ تفسیر القرآن العظیم: ج ۳، ص ۴۹۷
۱۵۶۔ ترمذی: ج ۴، ص ۶۵۲
۱۵۷۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۳، رقم ۱۲
۱۵۸۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۳، رقم ۱۱
۱۵۹۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۹
۱۶۰۔ عبد الاحد داؤد۔ محمد فی الکتاب المقدس۔ ترجمہ: فہمی شما۔ قطر، رئاسۃ المحاکم الشرعیۃ، ۱۴۰۵ھ: ص ۱۵۲
۱۶۱۔ فتح الباری: ج ۱۱، ص ۱۸، ۱۹
۱۶۲۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۳۰۲، رقم ۵۸۸۳
۱۶۳۔ الصحاح فی اللغۃ۔ مادہ خلق
۱۶۴۔ القلم: ۴
۱۶۵۔ الزبیدی۔ تاج العروس من جواہر القاموس۔ مادۃ خلق
۱۶۶۔ المسند: ج ۲، ص ۳۸۱
۱۶۷۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۲۴۴
۱۶۸۔ الاعراف: ۱۹۹، ۲۰۰
۱۶۹۔ آل عمران: ۱۳۴
۱۷۰۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۹۸۶، رقم ۲۵۶۴
۱۷۱۔ البخاری: ج ۳، ص ۱۳۰۵، رقم ۳۳۶۶
۱۷۲۔ المسند: ج ۵، ص ۲۲۸
۱۷۳۔ البقرہ: ۸۳
۱۷۴۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۹۸۰، رقم ۲۵۵۳
۱۷۵۔ عیاض بن موسیٰ الیحصبی۔ مشارق الانوار علی صحاح الآثار۔ المکتبۃ العتیقہ: ج ۱، ص ۸۴
۱۷۶۔ المعجم الاوسط: ج ۴، ص ۳۵۷
۱۷۷۔ سنن الترمذی: ج ۴، ص ۳۶۳
۱۷۸۔ ابن حبان: ج ۲، ص ۲۳۵
۱۷۹۔ لسان العرب: ج ۹، ص ۳۳۶
۱۸۰۔ المدثر: ۱ تا ۵
۱۸۱۔ مسلم: ج ۱، ص ۲۵۵، رقم ۲۴۴
۱۸۲۔ التوبہ: ۱۰۸
۱۸۳۔ بخاری: ج ۱، ص ۸۸، رقم ۲۱۵
۱۸۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۰۸، رقم ۸۶۸
۱۸۵۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم: ج ۱، ص ۲۹۶
۱۸۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۶۲۹، رقم ۱۶۸۳
۱۸۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۵۵۳، رقم ۱۴۴۹
۱۸۸۔ بخاری: رقم ۵۵۵۰
۱۸۹۔ صحیح وضعیف الجامع الصغیر: رقم ۳۹۳۹

۱۹۰۔ النہایۃ فی غریب الاثر: ج۵،ص۶۷، رقم ۷۷

۱۹۱۔ ترمذی: ج۵،ص۱۱۱

۱۹۲۔ انعام:۳۸

۱۹۳۔ یٰسین:۱۲

۱۹۴۔ الاسراء:۱۲

۱۹۵۔ مسلم: ج۱،ص۲۲۴، رقم ۲۶۲

۱۹۶۔ الطبرانی۔ المعجم الکبیر۔ تحقیق: حمدی عبد المجید السلفی۔ الموصل، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ: ج۲،ص۱۵۵

۱۹۷۔ بخاری: ج۱،ص۲۸، رقم ۵۲

۱۹۸۔ الانعام:۱۵۱۔۱۵۳

۱۹۹۔ الاسرا:۲۳۔۲۹

۲۰۰۔ بخاری: ج۵،ص۲۳۱۲، رقم ۵۹۱۲

۲۰۱۔ الذاریات:۱۵۶

۲۰۲۔ الشوریٰ:۲۱

۲۰۳۔ البقرہ:۲۸۵

۲۰۴۔ النساء:۶۴

۲۰۵۔ الاسرا:۲۳۔۲۴

۲۰۶۔ الانعام:۱۵۱

۲۰۷۔ الروم:۲۱

۲۰۸۔ البقرہ:۱۸۷

۲۰۹۔ النساء:۱۹

۲۱۰۔ المرجع السابق: ج۴،ص۲۰۲۶، رقم ۲۶۲۶

۲۱۱۔ بخاری: ج۱،ص۴۱۸، رقم ۱۱۸۳

۲۱۲۔ بخاری: ج۱۱،ص۱۳، رقم ۱

۲۱۳۔ بخاری: ج۴،ص۱۵۹۸، رقم ۴۱۴۱

۲۱۴۔ المرجع السابق: ج۴،ص۱۹۸۶، رقم ۲۵۶۴

۲۱۵۔ بخاری: ج۴،ص۲۰۲۵، رقم ۲۶۲۴

۲۱۶۔ النساء:۳۶

۲۱۷۔ بخاری: ج۵،ص۲۲۴۰، رقم ۵۶۷۰

۲۱۸۔ النساء:۵

۲۱۹۔ النور:۳۳

۲۲۰۔ یونس:۱۴

۲۲۱۔ البقرہ:۲۷۵

۲۲۲۔ الجمعۃ:۹،۱۰

۲۲۳۔ المستدرک: ج۲،ص۳

۲۲۴۔ البخاری: ج۵،ص۲۳۶۲، رقم ۶۰۶۳

۲۲۵۔ المسند۔ ج۴،ص۱۹۷

۲۲۶۔ الاعراف:۳۱

۲۲۷۔ صحیح ابن حبان۔ تحقیق: شعیب الارناؤوط۔ بیروت، دار الرسالہ، ۱۴۱۴ھ: ج۱۲،ص۲۳۵

۲۲۸۔ مسلم: ص۹۱،۹۳، رقم ۱

۲۲۹۔ الحدید:۷

۲۳۰۔ الذاریات:۱۹

۲۳۱۔ القاموس المحیط، مادۃ عدل: ج۱،ص۱۳۳۱۔

☆ ابن منظور: ج۱۱،ص۴۴۰

۲۳۲۔ مسلم: ج۴،ص۱۹۹۴، رقم ۲۵۷۷

۲۳۳۔ البیہقی: ج۶،ص۷۴

۲۳۴۔ بخاری: ج۳،ص۱۳۶۶، رقم ۳۵۲۶

۲۳۵۔ المائدہ:۳

۲۳۶۔ النساء:۱۳۵

۲۳۷۔ الصحاح فی اللغۃ۔ مادۃ قوا، وانظر: الجمہرۃ، مادہ قوا، ولسان العرب مادۃ قوا

۲۳۸۔ القصص:۲۶

۲۳۹۔ الانفال:۶۰

۲۴۰۔ مسلم: ج۳،ص۱۵۲۲، رقم ۱۹۱۷

۲۴۱۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۵۲۲، رقم ۱۹۱۹
۲۴۲۔ الانفال: ۶۱
۲۴۳۔ ہود: ۵۲
۲۴۴۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۰۵۲، رقم ۲۶۶۴
۲۴۵۔ ابراہیم: ۱۳تا۱۴
۲۴۶۔ الاعراف: ۱۴۵
۲۴۷۔ البقرہ: ۶۳
۲۴۸۔ صحیح ابن حبان: ج ۲، ص ۵۱۰
۲۴۹۔ ابراہیم: ۱۳، ۱۴
۲۵۰۔ محمد: ۱۰
۲۵۱۔ الروم: ۴۱
۲۵۲۔ الانفال: ۴۶
۲۵۳۔ آل عمران: ۱۵۹
۲۵۴۔ التوبہ: ۲۵، ۲۶
۲۵۵۔ فاطر: ۴۴
۲۵۶۔ المائدہ: ۲
۲۵۷۔ الاعراف: ۱۵۸
۲۵۸۔ تفصیل کے لئے: المستدرک: ج ۳، ص ۷۰۰
☆ ابن حبان: ج ۱، ص ۵۲۳
☆ السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ۶، ص ۵۲
۲۵۹۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: بخاری: ج ۴، ص ۱۷۱۵، رقم ۴۳۹۴
۲۶۰۔ الکہف: ۶
۲۶۱۔ فاطر: ۸
۲۶۲۔ بخاری: ج ۱، ص ۴۵۵، رقم ۱۲۹۰
۲۶۳۔ الشوریٰ: ۴۰
۲۶۴۔ النحل: ۱۲۶
۲۶۵۔ الممتحنہ: ۸
۲۶۶۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۱۴۷، رقم ۲۷۸۶
۲۶۷۔ المائدہ: ۱۳، ۱۴
۲۶۸۔ آل عمران: ۱۱۳تا۱۱۵
۲۶۹۔ محمد عبداللہ دراز۔ الدین۔ دار القلم، ۱۳۹۰ھ: ص ۱۷۲
۲۷۰۔ القمر: ۱۷

اسلامی بنکاری۔ ایک تعارف

ڈاکٹر محمود احمد غازی

اسلامی بنکاری کے تعارف اور تجزیئے پر مشتمل ایک گراں قدر پیش کش

صفحات: ۱۱۲ قیمت: ۸۰ روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز